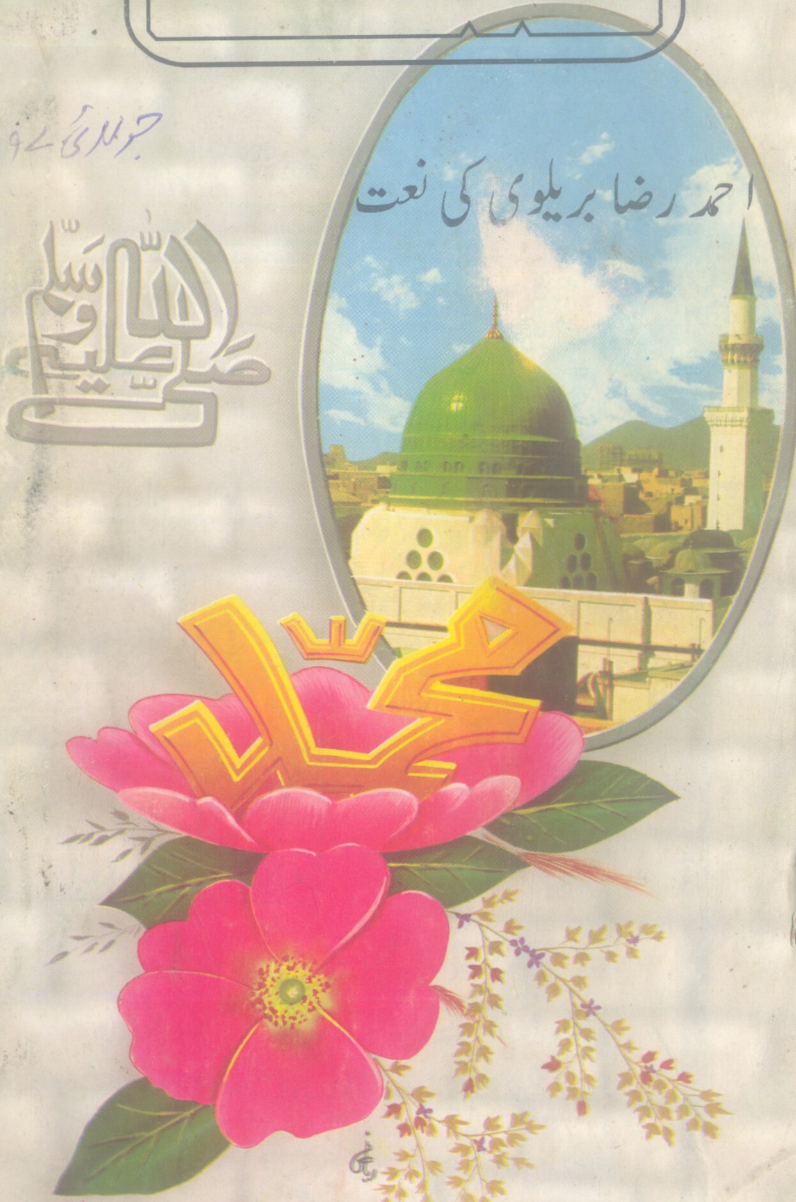
Regular Published by 10 Years

نعت

جولائی 1997



ماہنامہ نعت لاہور

جلد ۱۰ جولائی ۱۹۹۷ شمارہ ۷

مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی نعت

گوشۂ میلاد

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

مشیرِ خصوصی: چوہدری رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ

ڈپٹی ایڈیٹر: شہناز کوثر
اظہر محمود

قیمت ۱۵ روپے (عام شمارہ)
۶۰ روپے (اشاعتِ خصوصی)
۲۰۰ روپے (زرِ سالانہ)
عرب ممالک کے لیے: ۱۰۰ ریال

مینجر: اختر محمود

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر، جیم پرنٹرز۔ لاہور

پبلشر: راجا رشید محمود

کمپیوٹر کمپوزنگ: نعت کمپوزنگ سنٹر

خطاط: منظر رقم

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید، بک بائنڈنگ ہاؤس، ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور

اظہر منزل، مسجد سٹریٹ نمبر ۵۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ
فون ۷۴۶۳۶۸۴ لاہور (پاکستان) پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰

مولانا احمد رِضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نعت

تحریر و انتخاب:

پروفیسر محمد اقبال جاوید
گوجرانوالہ

حضرت احمد رِضا بریلوی کی نعت

تحریر: پروفیسر محمد اقبال جاوید (گوجرانوالہ)

دورِ حاضر کا یہ ایک المیہ ہے کہ اس میں تعلیم جتنی تیزی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے، اتنی ہی سُرعت کے ساتھ علم گھٹتا جا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ ہماری اکثریت اپنے علمی مرکز اور فکری سرچشمے سے کٹ کے رہ گئی ہے۔ عربی زبان کی بلیغانہ وسعتوں سے شناسائی تو دور کی بات ہے، دورِ حاضر کے "دانشوروں" کی اکثریت سے قرآنِ مجید کی درست تلاوت کی بھی توقّع نہیں کی جا سکتی۔ آج کون ہے جو اقبالؔ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے قرآن کے سمندر سے موتی چُنے ہیں۔ موتی چُننا تو ایک طرف ہمیں تو موتیوں کی پہچان بھی نہیں ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے جس کی بنا پر کسی شخص پر

علم و حکمت کے ایوان کھلتے ہیں اور اسے تفکّر و تدبّر کی توفیق ملتی ہے۔ آج اگر ہم علمی طور پر مفلس، قلبی طور پر پریشان، ذہنی طور پر محدود اور نظری طور پر مسدود ہیں تو اس کی ایک ہی بنیادی وجہ ہے کہ ہماری سیہ دلی کی بنا پر اس علیم و خبیر ذات کی نگہِ لطف ہم سے ہٹ گئی ہے اور ہم ہیں کہ اس "احساسِ زیاں" سے بھی نیاز ہیں۔ جب دل رخشاں اور ذہن تاباں ہو تو قلم بھی نُور اگلتا ہے اور ہر لفظ، شب کی ظلمتوں میں نقیبِ سحر بن جاتا ہے۔

آج جب ہم اسلاف کے علمی نقوش دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں؟ اس کاروان علم و فضل کے پیچھے اڑنے والی گرد سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس کارواں کا ایک ایک فرد اپنی ذات میں انجمن تھا۔ فضیلتیں ان کا طواف کرتی تھیں۔ ہمیں ان کا ہر بول ہزاروں کتابوں کا افشردہ و عصارہ ہوا کرتا تھا۔ علمی طور پر ان کی تحریریں، ان کی فکری عظمتوں کا آئینہ اور علمی طور پر ان کے روز شب ان کی رفعت کردار کا پیمانہ ہوتے تھے۔

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، اسلاف کی ایک ایسی ہی روشن نشانی تھے۔ وہ علم و خبر کا ایک بحر بیکراں تھے۔ قرآن پاک کی بلاغتوں سے لے کر فرمودات رسالت مآب ﷺ کی فصاحتوں تک، تفسیری مباحث سے لے کر فقہی نزاکتوں تک، علم توقیت کی واقعیت سے لے کر علم حساب کی گہرائیوں تک، علم ہندسہ کے کمال سے لے کر علم جفر کے جمال تک، علم کلام کی خرد افروزیوں سے لے کر قلب و نظر کی آفاق گیریوں تک، ہر مقام پر ان کی علمی اور روحانی تاب و

تب کا اعتراف، ہر دور کا ذوق سلیم کرتا رہا ہے۔ اعتراف عظمت، کے پہلو بہ پہلو اختلاف کی اگر کوئی بات ہو تو وہ دلیل رحمت ہوتی ہے۔ مگر اختلاف برائے اختلاف، اس قابل ہے کہ اسے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے کہ پستیوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ بلندیوں کو گھورا کریں۔

آپ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء (۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ) کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نسباً "پٹھان" مسلکاً "حنفی اور مشرباً" قادری تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام نقی علی خاں اور جد امجد کا نام مولوی رضا علی خاں تھا۔ والد نے آپ کا نام محمد اور جد امجد نے احمد رضا رکھا۔ تاریخی نام المختار ہے جس سے ۱۲۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ کے والد محترم اور جد امجد صاحب تصنیف بھی تھے اور علم و عمل کے اعتبار سے بھی منفرد اور معتبر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا۔ صرف و نحو، مولانا مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھی۔ اس کے بعد والد ماجد سے علمی فیض حاصل کیا۔ تیرہ برس کی عمر میں صرف و نحو، ادب، حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، اصول معانی و بیان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، منطق، فلسفہ، ہیئت غرض تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل فرمائی۔ آپ ذہانت اور حافظہ کی بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ جناب مقبول جہانگیر کے الفاظ میں

"اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تحصیل فرمائی۔ حیرت کی یہ بات کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خدا داد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم و

فنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔ کئی فن ایسے ہیں کہ دورِ جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار، شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں۔ یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مقابل ہو"۔

آپ شاہ آل رسول مارہروی رحمہ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور تصوف کے بہت سے دیگر سلسلوں میں بھی خلافت سے سرفراز رہے۔ ۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کے ساتھ پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں دوسری بار یہ شرف ملا۔ اسی سفر کے دوران میں وہاں کے علمائے کرام نے آپ کو انتہائی احترام سے نوازا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق

"احمد رضا خاں کو علمائے حرمین بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ بعض علماء نے انہیں "مجدد امت" لکھا ہے"۔ فتوی نویسی کے سلسلے میں ان کی فقیہانہ بصیرتوں کا اعتراف علامہ اقبال" کو بھی تھا۔ ایک مجلس میں انہوں نے فرمایا۔ "ان کے فتاوی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے"۔

۱۹۱۱ء میں کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے آپ کا مشہور ترجمہ قرآن پاک طبع ہوا۔ جس میں یہ التزام کیا گیا کہ ترجمے کی ہلکی سی بے احتیاطی سے بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی شان میں کسی نوع کی بے ادبی نہ ہو۔

آپ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو وفات پا گئے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد

بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے اکثر معتبر عالم ہیں اور آپ سے تعلق خاطر رکھنے والے احباب آپ کو فاضل بریلوی اور اعلیٰ حضرت کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

فاضل بریلوی" اردو، فارسی، عربی، ہندی اور بھاشا پر عالمانہ قدرت رکھتے تھے۔ وہ ایک بے بدل خطیب، صاحب طرز انشا پرداز، حق گو واعظ، معجز بیان مناظر، قابل قدر مفسر، ژرف نگاہ محدث، اور بصیرت افروز فقیہ تھے۔ انہوں نے ایک بھرپور دینی اور علمی زندگی گزاری۔ چونکہ وہ ایک وہبی شاعر بھی تھے۔ اس لیے جملہ مصروفیات کے باوجود جب طبیعت شعر گوئی کی جانب آتی تھی تو شعر آویزوں کی طرح ڈھلتے چلے جاتے تھے۔ ان کی شاعری طبعی اضطراب کے بے ساختہ پن کا حاصل تھی۔ کیونکہ آورد کے لیے فکر کو وقت کی ضرورت ہے۔ اور وقت ان کے پاس تھا نہیں کہ اسے شعر گوئی کے لیے وقف کیا جاسکے۔ اردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا عربی دیوان گو محفوظ نہیں رہا مگر بکھرے ہوئے اشعار کی تعداد اتنی ضرور ہے جن سے ان کی عربی شعر گوئی کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ چونکہ وہ عربی کے فاضل تھے، اس لیے اردو اشعار میں بھی عربی رنگ و آہنگ چھایا ہوا ہے۔ آج عربی اور فارسی کا ذوق ناپید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے "دانشور حضرات" اپنی بے علمی کا ماتم کرنے کے بجائے "سہل نویسی" کا پرچار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر حامد علی خاں (لیکچرار شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے الفاظ میں "آپ کی اردو شاعری، اُردوئے معلّٰی کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ آپ کے اردو کلام سے بھی در حقیقت وہی صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکتا ہے جسے عربی و فارسی

پر عبور ہو یا کم از کم اردو کا اچھا فاضل اور ادیب ہو"۔

حضرت رِضا رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں کم و بیش ایک ہزار علمی تصانیف چھوڑی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ایسی معتبر اور ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے والا قلم خود بےبضاعتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اپنی جملہ صلاحیتوں کے باوجود اس گلستان بکنار شخصیت کی رعنائیوں کو سمیٹنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور دامان نگاہ کی تنگیاں گلہائے حسیں کی ان فراوانیوں سے معذرت طلب نظر آتی ہیں۔ برِ صغیر پاک و ہند میں ہر فن کے الگ الگ عالم بلکہ امام تو بہت مل جائیں گے مگر ایسی کثیرالجہات شخصیت، چراغِ رُخِ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ مل سکے، جس نے معقولات و منقولات کے اکثر اصناف میں اپنی فکری عظمتوں کے چراغ روشن کیے ہوں، جس کی مطبوعہ تصانیف بھی سینکڑوں تک پہنچتی ہوں اور ایسے مسودات کا شمار بھی ممکن نہ ہو جو بوجوہ طبع نہ ہو سکے ہوں اور مُرورِ زمانہ کی نذر ہو گئے ہوں۔

بطور ایک نعت گو، ان کی حیثیت مسلّمہ ہے۔ قاری ان کی محرابِ نعت میں علمی اعتبار سے مرعوب اور فکری طور پر سرنگوں نظر آتا ہے۔ جذباتی کیفیات اور دلی واردات کے نقطۂ نظر سے، دور دور تک نہ کوئی ان کا مثیل ہے، نہ سہیم۔ خیال ایک سماوی نعمت ہے جبکہ زبان ایک ارضی صلاحیت۔ ان وہبی اور اکتسابی خوبیوں کے لطیف اور غنائی امتزاج کا نام شعر ہے۔ حضرت رِضا فکری صلاحیتوں کی پاکیزگی سے بھی بہرہ ور تھے اور زبان و بیان پر بھی عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔ عروضی اور فنی اعتبار سے بھی وہ الفاظ کو موسیقیت کی میزان میں تولنے پر قادر تھے۔ ان کے پورے کلام کو نقد و نظر کی کڑی آزمائشوں میں سے گزاریے۔

آپ کو نہ کوئی زبان کا سقم نظر آئیگا نہ کوئی عروضی لغزش دکھائی دے گی اور نہ کہیں فکری پسماندگی کا احساس ہوگا۔ جس شخصیت نے نعت سرائی کی بنیاد ہی قرآنِ حکیم کو بنایا ہو کہ وہ خود ایک کتابِ نعت ہے اور اس کی، قرآن کی موعظانہ بصیرتوں اور علمی رفعتوں پر بھی گہری نظر ہو، تو پھر اس کی نعت کے اعجاز و ایجاز کو تسلیم کیے بغیر نہ اہلِ نظر آگے گزر سکتے ہیں، نہ تماشائی۔

ہُوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنّۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

نئے خیال کی تلاش میں شاعر عموماً بہک اور بھٹک جاتے ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ مضمون ہی عنقا ہو کر رہ جاتا ہے مگر احمد رِضا خاں بریلوی کی نعت گوئی میں ایسے مقام کم ہیں جہاں خیال میں تکرار ہو۔ ان کا ہر شعر کمالِ سیرت کا ایک نیا پہلو پیش کرتا ہے اور ساتھ ساتھ جمالِ صورت کا ایک نیا رخ ہمارے سامنے رکھتا چلا جاتا ہے اور ساتھ ہی انداز کی طرفگی بھی نمایاں ہے۔ سچ یہ ہے کہ رُوئے رسول ﷺ، رُخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ ہے اور سیرتِ رسول ﷺ، قرآن کی اعجاز آفریں تعلیمات کا ایک عکسِ دلاویز۔ اختر الحامدی کا شعر ہے۔

اک اک ادا ہے آپ ﷺ کی آیاتِ بیّنات
جس زاویے سے دیکھیے، قرآں ہیں مصطفیٰ ﷺ

قرآن ہر مقام پر صداقتوں کا اظہار نئے انداز سے کرتا ہے اور قرآن کا یہی اسلوب، اہلِ نظر کے لیے فکری اور لسانی بصیرتوں کے ایوان کھولتا چلا جاتا ہے اور

یہ قرآن ہی کا فیض ہے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی نعت' ایک فانوس کی طرح صد رنگ انوار بکھیرتی چلی جاتی ہے۔ جابجا قرآنی آیات اور احادیث جبینِ شعر پر لو دیتی نظر آتی ہیں۔ صنعتِ تلمیح پر مشتمل اشعار' دینی اور واقعاتی پس منظر لیے ہُوئے ہیں' فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاحات ان کی علمی وسعت اور ہم لوگوں کی فکری نکبت کی آئینہ دار ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ تو لکھ گئے کہ جانتے تھے اور ہم پڑھ رہے ہیں مگر سمجھنے سے قاصر ہیں۔

مولانا مسلّمہ عالم بھی تھے اور نغز گو شاعر بھی۔ صرف علم کے بل پر کہا جانے والا شعر فلسفہ یا معما بن کر رہ جاتا ہے یا بالکل خواص کی ایک شے ہو جاتا ہے۔ فکر 'گداز دل میں ڈھلتا ہے تو اس میں شعری لطافت آتی ہے۔ مولانا چونکہ علمی تبحُّر' دینی بصیرت اور شعری صلاحیّت کے اعتبار سے مستند ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول ﷺ کی نعتِ عظمیٰ سے بھی بہرہ ور تھے' اس لیے ان کی شاعری میں اگر ایک طرف شعری خوبیاں اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہیں تو دوسری طرف جذبے کی گہرائی نے علمی رسوخ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر' جوش و ہوش کی ایک ایسی کہکشاں کو ابھارا ہے جس کا ہر رنگ نگاہوں سے لپٹ لپٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت' ہر دل کی دھڑکن' ہر لب کی صدا اور ہر نگاہ کی آرزو بن کر شعری اُفق پر جگمگا رہی ہے۔ اس میں اہلِ نظر کے لیے متاعِ تدبُّر تو فی الواقع فراواں ہے' مگر سطحی نوعیت کے ناظرین کو بھی اپنے ذوق کی آسودگی کا سامان مل جاتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کے الفاظ میں

”مولانا کی نعتیہ شاعری میں حسنِ بیان' استعارات' تلمیحات

اور علمی اوصاف اس کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ خشک علوم و فنون کے سمندر کا غوّاص' اس قدر شگفتگی کس طرح پیدا کر سکتا ہے؟“

جذبہ صادق ہو تو وہ خوشبو کی طرح مشامِ جاں کو معنبر کرتا چلا جاتا ہے۔

جب ممدوح بھی بے مثال ہو اور مدحت نگار کا دل محبّت سے لبریز ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قلم کو پرِ ہُما کی اڑان بھی عطا کی ہو تو پھر اس قلم کی ہلکی سی جنبش لولوئے لالا بکھیرتی چلی جاتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری' مولانا کی قادر الکلامی' اسرارِ علمیہ اور گل افشانیٔ گُفتار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

”ان کی نعتیہ شاعری بنیادی طور پر فلسفیانہ موشگافیوں اور علم و فن کی بھول بھلّیاں کی شاعری نہیں بلکہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات و صفات سے گہری وابستگی اور شدید جذباتی لگاؤ کی شاعری ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری پر معصومیت' شیفتگی' سادگی اور عاشقانہ سرمستی کی جو چاندنی چھٹکی ہوئی ہے وہ چاندنی قاری کے درونِ خانہ میں جس قسم کا مدّوجزر پیش کرتی ہے' وہ بے سبب نہیں“۔

حق یہ ہے کہ ان کی نعت' ان کے بھرپور علمی اظہار کے باوجود فلسفیانہ یبُوست سے بچی ہوئی ہے مگر پھر بھی بیشتر مقام ایسے ہیں کہ ان کی تہہ تک عام' فہم کی رسائی نہیں ہے۔ شخصی کمال ہی فن کو عظمت عطا کیا کرتا ہے اور وہی فن رنگ ثبات و دوام کا حامل ہوتا ہے جسے کسی مردِ خدا نے تمام کیا ہو۔

جب تک قاری ان علوم سے آشنا نہ ہو' جن تک حضرتِ رضا (رحمۃ

یہ منزل اپنے چاند کی منزل غفر کی ہے

(علمِ نجوم)

محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے، عجیب چکّر میں دائرے تھے

(علمِ ہندسہ)

ذرّے مہرِ قدس تک تیرے توسّط سے گئے
حدِّ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(علمِ منطق)

غایت و علّت سبب، بہر جہاں تم ہو سب
تم سے بنا، تم بنا، تم پہ کروڑوں درود

(علمِ فلسفہ)

عام قاری سے لے کر ناقد تک اور معتقد سے لے کر معترض تک کی اکثریت اگر ان علوم ہی سے بے بہرہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مولانا کی نعت گوئی کی تحسین کا حق ادا کر سکے گی اور نہ ان کے اعتراض میں اعتدال کا رنگ آ سکے گا۔ داد دینے والوں کی داد بھی بے داد ہوگی اور اعتراض کرنے والوں کی تنقید بھی بے محل۔ بقول شاعر۔

اس فن کی لطافت کو لے جائے کہاں کوئی
پتھر کا زمانہ ہے، شیشے کی کہانی ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ توحید، اسلام کا ایک بنیادی تصوّر ہے کہ جب اس میں کوئی کھوٹ در آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس ازلی اور ابدی تصوّر کے نکھار اور

اللہ علیہ) کی ماہرانہ دسترس ہے، اس وقت تک ان کے اشعار میں مضمر علمی بصیرتوں کو نہیں پا سکتا۔ دورِ حاضر کی اکثریت علمی لاعلمی اور ادبی بے مائیگی کی انتہا کو چھو رہی ہے۔ وہ عربی اور فارسی کی مبادیات تک سے نابلد ہے اور خود اردو کا ذوق اس قدر افسردہ و پژمردہ ہو چکا ہے کہ مومن و غالب، انیس و دبیر اور اقبال تک، کتنے ہی شاعر ہیں کہ ان کی تخلیقات کے فہم و ادراک کے لیے تشریحات مطلوب ہیں، اس لیے اگر آج حضرتِ رضا کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف نہیں ہو رہا تو اس کی تہہ میں آج کے دانشور حضرات کی "بے دانشی" ہے اور جو لوگ ان کی ستائش میں رطب اللسان ہیں، ان کی اکثریت بھی محض مذہبی فرقہ بندی اور نظریاتی ہم آہنگی کے تحت اس تعریف کو اپنائے ہوئے ہے، ورنہ ان کے کلام کے رموز و غوامض تک بہت کم نظریں رسا ہیں۔ "قدرِ سخن شناس" باقی نہ رہے تو "تحسینِ ناشناس" ہی رہ جاتی ہے۔ جسے نقد و نظر کے میدان میں کوئی سی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ حضرت شمس بریلوی نے اپنے فاضلانہ تالیف میں حضرتِ رضا کی نعت کا ادبی اور تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے بہت سے ایسے اشعار یکجا کیے ہیں جن کے مفہوم کو عہدِ حاضر کے دانشوروں کی غالب اکثریت نہیں پا سکتی۔ یہ چند اشعار، حضرت کی علمی فضیلتوں کے اعتراف اور عہدِ حاضر کے علمی افلاس کے ماتم کے لیے کافی ہیں۔

زبانِ فلسفی سے امن و خرق والتیام اسریٰ
بنایا دورِ رحمت ہائے یک ساعت تسلسل کو

(فلسفہ مابعد الطبیعات)

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں

وقار کو بحال کرنے کے لیے انبیاءؑ کو مبعوث کرتے ہیں۔ اسی لیے ہر نبیؑ کا پہلا بول تصدیقِ توحید ہی کے گرد گھومتا رہا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا جو خوبصورت تصور دیا ہے، وہ کسی اور مذہب کے پاس نہیں ہے۔ ہمارا تصورِ توحید، رسالت ہی سے وابستہ و پیوستہ ہے، جناب پروفیسر علی عباس جلالپوری کے الفاظ میں

"جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ پاک کو رہنمائے عمل بنائے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کماحقہٗ اثبات نہیں کر سکتے۔ گویا جو مسلمان اپنی حسبِ توفیق جتنا اُسوۂ حسنہ اپنے طور پر مشعلِ راہ بنائے گا، اتنا ہی وحدانیت کے شعور و ادراک سے بہرہ ور ہو سکے گا"۔

ہمارے ہاں توحید اور رسالت باہم گریوں ہم رشتہ اور ہم آہنگ ہیں کہ دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مقصودِ زندگی رضائے خداوندی ہے مگر فرموداتِ رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں۔ گویا پہنچنا بہرنوع ربِ کعبہ تک ہے مگر راستے کے لیے چاندنی گنبدِ خضریٰ سے سمیٹنا ہو گی کہ کعبہ عقیدے کا مرکز ہے اور مدینہ عقیدت کی جلوہ گاہ۔ عقیدہ عقیدت سے بال و پر لیتا ہے اور عقیدت، عقیدے کی انگلی تھام لے تو بے راہ نہیں ہوتی، بلکہ خود منزلیں اس کا استقبال کرتی ہیں۔ مولانا محمد صلاح الدین نے ایک مقام پر عقیدے اور عقیدت کی اس ہم آہنگی کا تجزیہ یوں کیا ہے:

"کلمۂ طیبہ اسلام کی اساس ہے۔ یہ چھوٹا سا کلمہ دو مختصر فقروں پر مشتمل ہے۔ پہلا جزو اقرارِ توحید اور دوسرا اقرارِ

رسالت۔ جس طرح یہ دو فقرے مل کر اس کرۂ ارض میں توحید و رسالت کے دو ایسے مرکز بنتے ہیں جو بظاہر الگ الگ مگر حقیقتاً باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے ایک مرکزِ دین و ایمان ہے تو دوسرا مرکزِ عقیدت و محبت، ایک قبلہ ہے تو دوسرا قبلہ نما، ایک نشانِ معبودیت ہے تو دوسرا نشانِ عبدیت۔ ایک مرکزِ نظر ہے تو دوسرا نورِ نظر۔ ایک مرکزِ عہدِ بندگی ہے تو دوسرا مرکزِ درسگاہِ بندگی، ایک عظمتِ خداوندی کی علامت ہے تو دوسرا رفعتِ بندگی کی علامت، ایک جلوہ گاہِ جلالِ ربانی ہے تو دوسرا جلوہ گاہِ جمالِ نبوی ﷺ، ایک کتاب تو دوسرا تفسیر، ایک پیغامِ عمل تو دوسرا مجسم عمل۔ ایمان، قلب و نظر کی یکجائی کا نام ہے اور اس یکجائی کے معنی یہ ہیں کہ کعبہ مسلسل پیشِ نظر ہو اور قلب پروانے کی طرح شمعِ رسالت ﷺ کا طواف کرتا رہے"۔

توحید و رسالت کے اس تعلق کو حضرتِ رضاؒ (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی ایک نعت میں انتہائی دلآویز انداز سے بیان کرتے ہیں کہ آج اس نعت کے اکثر مصرعے، اہلِ درد کے دل کی انگشتری کا نگینہ بنے ہوئے ہیں۔ حضرتؒ کے نزدیک کعبہ تو بہرکیف کعبہ ہے مگر مدینہ کعبے کا کعبہ ہے کہ وہ شعلے جو طور کو ایک اندازِ بے نیازی سے چُور چُور کرتے ہیں، وہی شعلے، شمعِ رسالت مآب ﷺ پر پروانہ وار لپکتے ہیں کہ یہی وہ حسنِ عالمتاب ہے کہ جس آنکھ میں سما جائے، خود جلوے اس آنکھ کا طواف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرتِ رضاؒ کے نزدیک آبِ زم زم

خوب ہے مگر شہِ کوثر ﷺ کی جود و سخا بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ سنگِ اسود کے بوسے سے دل کی ظلمت ڈھلتی ہے مگر خاکِ بوسیٔ مدینہ سے بھی دل کے اندھیروں کو اجالا ملتا ہے۔ رمنیٰ میں جانور تڑپتے ہیں' یہاں دل تڑپتا ہے۔

حاجیو' آؤ' شہنشاہ ﷺ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے' کعبہ کا کعبہ دیکھو

آبِ زمزم تو پیا' خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ' جودِ شہِ کوثر ﷺ کا بھی دریا دیکھو

زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابرِ رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ
قصرِ محبوب ﷺ کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

ایمنِ طور کا تھا رُکنِ یمانی میں فروغ
شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو

دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگِ اسود
خاکِ بوسیٔ مدینہ کا بھی جلوہ دیکھو

خوب مسعیٰ میں بہ اُمیدِ صفا دوڑ چکے
رہِ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو

رقصِ بسمل کی بہاریں تو رمنیٰ میں دیکھیں
دلِ خونابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

علم کی کمی' دل سے وسعت اور نگاہ سے رفعت چھین لیا کرتی ہے۔

ہمارے دینی اختلافات' رسالت مآب ﷺ سے قلبی تعلق کے فقدان کی دلیل ہیں۔ ان اختلافات کی تہ میں جائیں تو بات اصولی نہیں' فروعی نظر آتی ہے اور زبان و قلم کی ساری کاوشیں' فروع کو اصول بنانے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں' حق یہ ہے کہ ہمارے ایمان کی واحد اساس' حُبِّ رسول ﷺ ہے۔ اس کے بغیر ہماری زندگی کی ہر شے بے اساس ہے۔ وعظ و تذکیر بھی' بحث و تمحیص بھی' جذب و شوق بھی' شعر و ادب بھی اور آہ و فغاں بھی۔ بقولِ اقبالؒ۔

عقل و دل و نگاہ کا مُرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب' میرا سجود بھی حجاب

ہم تہی ساغر' تہی دامن اور تہی دست لوگ' بتکدۂ تصورات میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ ہم نے توحید اور رسالت کو خانوں میں بانٹ دیا ہے' حالانکہ ہر دو لازم و ملزوم ہیں۔ جبیں کعبے میں جھکتی ہے اور دل مدینے میں۔ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو روا ہے مگر "قصرِ ناز" کو پلکوں سے صاف کرنے میں کیا روک ہے۔ دل مچل مچل کر پوچھے کہ۔

نہیں اذنِ سجدہ جو میری جبیں کو
تو پھر یہ ترا سنگِ در کس لیے ہے

مگر جبیں' سجدے سے باز رہے کہ محبوب ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ "میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا"۔ یہ رک جانا ہی عقیدت کے تقدّس کی معراج ہے' اطاعت کے اسی جذبے کو حُسنِ عقیدت کہتے ہیں۔ اصغر گونڈوی نے انھی کیفیات کے

بحث کہا تھا:

چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

توسُّل، تعلّق نسبت اور رابطے کے اِس حُسن کا کون منکر ہے کہ ہم نے خدا کو جانا، پہچانا اور پایا تو اسی فیض سے، اسی تعلق سے، سجدوں کو کیف، دلوں کو نشاط اور نگاہوں کو امید عطا ہوئی۔ اس حوالے کے بغیر تو نہ دعا قبول ہوتی ہے اور عبادت تکمیل پاتی ہے۔ اگر اس واسطے کو نکال دیا جائے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہو کر رہ جائے گی۔

اک وہم و گماں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
ہم لوگ کہاں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے

عشق، علم سے بے بہرہ ہو تو وہ مبالغے کی حدوں تک پہنچ کر، بے کیف ہو جایا کرتا ہے۔ مگر رضاؔ بریلوی" ایسی شخصیت جو ایمان کے اس کمال سے بہرہ ور ہو جسے حُبِّ رسول ﷺ کہتے ہیں اور دوسری طرف علمِ دین کا کماحقّہ، شعور بھی رکھتی ہو، اس کے قلم کے لیے بہکنے اور بھٹکنے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ نعت سرائی، تلوار کی دھار پر گامزن ہونا ہے۔ علم و نظر سے بہرہ ور، جذبۂ عشق جب اس دھار پر چلے گا تو یقیناً سرخرو ہو گا، دورانِ سفر میں اگر کہیں قلم کا قدم ڈگمگا جائے تو اسے سہو و لغزش سے تعبیر کیا جائے گا۔ نیت کی کجی قرار نہیں دیا جائے گا۔ سہو کا اعتراف ہو تو بڑی سے بڑی لغزش بھی "بشری حسن" بن جایا کرتی ہے، نیت خالص نہ ہو تو بڑے سے بڑا دعویٰ بھی صدق کی دلیل نہیں بن سکتا۔

حضرتِ رضا کی نعت گوئی میں، عشق کی وارفتگی، احترام کا دامن تھام کر

چلتی ہے۔ شعر کی جمالیاتی دل پذیری، احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ ان کا علمی تبحُّر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دلآویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں علم و شعور اور جذب و جنوں کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔ الفاظ و تراکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کو پُرشکوہ اظہار بھی جابجا ملتا ہے۔ اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔ وہ بطورِ شاعر قاری اور ناقد کو اس حد تک متأثر کرتے ہیں کہ اس کے لیے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں لفظی برجستگی، فنّی رعنائی اور سہلِ ممتنع کی مثالیں وافر تعداد میں جلوہ گر ہیں۔ قرآنی آیات اور عربی جملوں کی پیوند کاری، ان کی فنکارانہ دسترس کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ ٹکسالی زبان کو نعتیہ تغزل کی روح رواں بنا دینا، ان کی ایک منفرد خصوصیت ہے۔ لفظی تکرار سے شعری آہنگ کو تأثر آفرین بنا دینا انہی کا کمال ہے۔ ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ یوں لگتا ہے کہ فکر و خیال کا ایک بحرِ بیکراں ہے کہ بے روک ٹوک، شعر و سخُن کی سنگلاخ گھاٹیوں میں یوں رواں دواں ہے کہ اسے کوثر و تسنیم کی موجیں بھی رشک سے دیکھتی ہیں۔

میرؔ دریا ہے، سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

مبالغہ، شعر کا حسن ہوتا ہے مگر نعت میں مبالغہ ایمان کے لیے خطرہ بن جایا کرتا ہے۔ نعت صداقتوں ہی کی امین اور صداقتوں ہی کی ترجمان ہے اور ایک ایسے وجودِ ذی جود کی عظمتوں اور رفعتوں کا شاعرانہ بیان ہے جس کے روز و

شب کی پاکیزگیوں' اظہار و بیان کی سچائیوں اور فکر و خیال کی رعنائیوں کا اعتراف مخالفین کو بھی تھا۔ جو شخصیت فی الواقع محمد ﷺ تھی اور ہے۔ محمد (ﷺ) کہتے ہی اس کو ہیں' جس کی تعریف میں سبھی رطب اللسان ہوں۔ اپنے اس لیے کہ ان کے دل محبتوں سے لبریز ہیں اور غیر اس لیے کہ حسن اپنا اعتراف خود کراتا ہے۔ آفتاب کی کرنوں کو کسی ثبوت کی ضرورت نہیں اور خوشبو کو اپنے جواز کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں ---- حضرتِ رضا نے کائنات کی اس سب سے بڑی صداقت کو جس شان اور آن کے ساتھ شعر کے آئینے میں دکھایا ہے۔ وہ دینے والے کی عطائے خاص کا اعجاز ہے' ورنہ سخنور تو اچھے اچھے ہیں مگر "اندازِ بیاں اور" تو کسی کسی کا ہوتا ہے۔ یہ فیصلے کرم کے ہیں اور بات نصیب کی ہے۔

ایک خوشبو سے مہک اٹھتی ہے دنیا میری
جب ترا نام مرے لب سے ادا ہوتا ہے

سچ یہ ہے کہ سچی نعت کے لیے قلم بعد میں حرکت کرتا ہے اور اس کی قبولیت پہلے ہو جایا کرتی ہے۔ اس ضمن میں توفیق کلیتہً رضائے الٰہی پر موقوف ہے اور اذنِ توصیف' خود موصوف ﷺ کی طرف سے ملتا ہے۔ نعت کہی نہیں جاتی بلکہ خودبخود قلم کی نوک پر لو دیا کرتی ہے۔ حسن' اپنے اظہار کے لیے خود آمادہ اور بہار اس کی ہمرکابی کے لیے خود بیقرار ہوتی ہے۔ تغزل کی ایمائیت' اس حسن کی معنوی تصویر کشی کے لیے کمالِ شوق کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ خوبصورت خیال' اپنے ساتھ خوبصورت الفاظ بھی لایا کرتا ہے۔ خیالات کی وسعت و ندرت کے ساتھ ساتھ' حسنِ ادا کی خوبی' حضرتِ رضا بریلوی کو ایک ایسے قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے نمایاں کرتی ہے جس کا دل' محبوب کی یاد میں

دھڑکتا اور جس کی آنکھیں انتظار کے کیف میں گوہرِ بداماں رہتی ہیں اور جس کا قلم اپنی تمام تر ادبی وجاہتوں' فنی ثقاہتوں اور علمی عظمتوں کے ساتھ نعت کی دنیا میں کبھی پھول کھلاتا' کبھی ستارے بکھیرتا اور کبھی چاند اچھالتا ہے کہ شاید اس وجودِ ناز آفریں کی عکاسی ہو سکے جو حسنِ کائنات بھی ہے اور کائناتِ حسن بھی۔ نتیجہ معلوم کہ' لفظ لفظ اور حرف حرف' کہیں کہکشاں نکھرتی دکھائی دیتی ہے' کہیں شفق پھولتی ہے' کہیں چاندنی چٹکتی ہے اور کہیں مہک پھیلتی ہے کہ بقولِ احسان دانش۔

آب و گل میں مدّتوں آرائشیں ہوتی رہیں
تب کہیں اک آدمی کونین کا حاصل بنا

شمس بریلوی کے الفاظ میں

"نعتِ سرورِ کونین ﷺ میں طرزِ ادا کی رنگینی کے اظہار کے لیے میدان بہت تنگ ہے۔ وہاں نہ مبالغہ کی گنجائش ہے' نہ اغراق و غلو کی۔ نہ وہاں شوخی کا گزر ہے اور نہ بیباکی کا دخل۔ نہ معشوق کا جور و ستم ہے کہ اس سے نت نئے مضامین پیدا کیے جائیں اور نہ بوس و کنار کا گزر ہے۔ ہجر و فراق کی کیفیات ضرور ہیں لیکن ہجر و فراق کی وہ واردات نہیں جو تغزل کے لیے مخصوص ہیں' بلکہ بہت محدود۔ جہاں قدم قدم پر ادب کے پہرہ دار ہیں اور اسلامی احکام کے نقیب کھڑے ہیں' ذرا سی لغزش اعمالِ حسنہ کی تباہی کا نتیجہ بن جاتی ہے اور ادنٰی سی بے راہ روی دارین کی روسیاہی کا

موجب اور معمولی سے معمولی بیباکی آخرت کی تباہی کا پیش خیمہ۔ پس ان قیود اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کسی نعت نگار کا خامہ، زبان کی سادگی کا لطف اور طرزِ ادا کی رنگینی کو پیش کردے تو یہ اس کی نعت گوئی کا ایک ایسا رُخ ہے جس کو اس کا منتہائے کمال کہنا چاہیے۔ یہ ہر کسی کا کام نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہندوستان میں صرف دو نعت گو شاعر انیسویں صدی کے رُبعِ آخر میں میری نظر میں ایسے گزرے ہیں جو اس وصف میں کمال کی بلندیوں تک پہنچ سکے ہیں، ایک جناب محسنؔ کاکوروی" اور دوسرا جنابِ رِضاؔ قدس سرہٗ"۔

نعت نگاری ہر صنفِ سُخن میں ہوتی رہتی ہے۔ نظم کی شکل میں، قصیدے کے رنگ میں، قطعات و رباعیات کے انداز میں، آج کل غزل کی ہیئت مقبول ہے۔ غزل کی یہ ہیئت طویل ہو جائے تو قصیدہ بن جاتی ہے۔ جنابِ رِضاؔ کی اکثر نعتیں غزل ہی کے رنگ و آہنگ میں ہیں مگر انہوں نے بہت سے قصائد بھی کہے ہیں اور بسا اوقات خیالات کی طغیانی اور الفاظ کی روانی غزل ہی کو قصیدہ بناتی رہی ہے۔

اے رِضاؔ، یہ احمدِ نوری ؒ کا فیضِ نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

قصیدۂ نور، قصیدۂ معراج، قصیدۂ مرمعہ، قصیدہ در صنعت علم ہیئت قابلِ ذکر ہیں۔ قصیدۂ نور ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے، اس میں ۷ مطلعے ہیں۔ قصیدہ

معراج ۶۷ شعروں پر مشتمل ہے۔ ایک روایت کے مطابق محسنؔ کاکوروی مرحوم جب معراج پر اپنا قصیدہ "سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل" حضرت رِضاؔ کو سنانے کے لیے آئے تو ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ مکمل قصیدہ بعد نمازِ عصر سنا جائے گا' اس دوران میں مولانا نے خود قصیدۂ معراج تحریر فرمایا اور وقتِ مقرر پر محسنؔ کاکوروی کو اپنا قصیدہ سنایا تو وہ سنّاٹے میں آ گئے۔ قصیدہ مرمعہ میں یہ التزام ہے کہ اس کا ہر مصرعِ اولیٰ کا آخری رکن بالترتیب حروفِ تہجی پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس قصیدے کے ۶۰ اشعار ہیں۔ ۱۵۵ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ بر اصطلاحاتِ علمِ ہیئت، مولانا کے تبحرِ فکر و نظر کی ایک ایسی علمی مثال ہے جس کی نظیر، ادب کی دنیا میں شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے۔ اس قصیدے کو سمجھنا، اس سے حظ اٹھانا اور کیف سمیٹنا تو دور کی بات ہے، دورِ حاضر کے اصحابِ علم و فن کی اکثریت اسے صحت لفظی کے ساتھ شاید پڑھ بھی نہ سکے۔ علمی افلاس اور ادبی بے بضاعتی جب اس حد تک آ جائے تو نہ سچی تحسین کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ پُرخلوص نقد و نظر کی۔ مولانا کی نعتیہ رباعیات سے بھی جہاں ان کے فنی کمال اور عروضی نظم کا پتا چلتا ہے، وہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ قصیدے میں، بات کو ازحد پھیلا کر بھی، بات کو سمیٹ لے جانے والا یہ نعت گو، مدحیہ افکار کے بحرِ ناپیدا کنار کو کامیابی کے ساتھ رباعی کے کوزے میں بند کرنا خوب جانتا ہے اور ان کا یہ فخر بہر معنیٰ، حق معلوم ہوتا ہے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رِضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو، سکّے بٹھا دیئے ہیں

انہوں نے غالب' داغ اور امیر کی شعری زمینوں میں نعتیں کہی ہیں۔ اگر فنی اعتبار سے ان شاعروں کی غزلوں اور مولانا کی ہم زمین نعتوں کو ملا کر پڑھا جائے تو مولانا کی قدرتِ شعر گوئی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور مولانا ان سب سے اس لیے عظیم معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے پیشِ نظر نعت ایسی مشکل صنفِ سخن ہے' غزل یا نظم نہیں۔ ہماری کلاسیکی اردو غزل کو اپنے جس ایمائی تأثر پر فخر' جس فکری گداز پر ناز اور جس جمالیاتی کیف پر غرور ہے' اس فنی فخر و ناز کی بیشتر ادائیں حضرتِ رضاؔ کے کلام میں ضو ریز بھی ہیں اور ضو فشاں بھی۔

غزل گو' بالعموم تصوّرات کی بے نام وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں' ان کے ہاں دیدہ کم اور شنیدہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ فرسودہ اور مستعمل موضوعات کو ادا کی خوبی سے تازگی عطا کیا کرتے ہیں' خیال کی طرفگی' خال خال ہوتی ہے جب کہ نعت سراسر صداقتوں کا بیان ہے۔ اس میں جب تک قلبی شیفتگی' دینی شعور کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو بات بنتی نہیں۔ نعت گو کو صورت اور سیرت کے اعتبار سے مثالی یا دوسرے لفظوں میں اسلامی ہونا چاہیے۔ صرف لفظی حسن سے نعت میں رعنائی نہیں آیا کرتی۔ جب تک دل کا گداز اس میں شامل نہ ہو' وہ دل آویز نہیں بن سکتی۔ عمل کو خود آواز بننا چاہیے کہ گفتار کی کثرت سے دل مرجایا کرتے ہیں۔ اطاعت کے بغیر' عقیدت کا ہر تصوّر بے جان ہے۔ گنبدِ خضریٰ کے خیال سے اگر دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی' اگر روح ویران ہے اور آنکھیں کوئی سا پیرایہ نم بھی نہیں رکھتیں تو ایسے انسان کی نعت گوئی متعلیانہ خود نمائیوں کا عکس تو ہو سکتی ہے' عجز و نیاز کا پندار نہیں بن سکتی۔ حضرتِ رضاؔ اسی لیے نعت گوئی میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں کہ آپ ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے

ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی نکتہ آفرینیوں سے بھی کماحقہٗ' واقف تھے۔ ایسی ہی شخصیت نعت سرائی کا حق ادا کر سکتی ہے۔ ورنہ ہر بوالہوس' حُسن پرستی کو اپنا شعار بنا کر سچائی کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ نعت ہی وہ نغمہ ہے کہ نہ وہ ہر دل سے ابھر سکتا ہے اور نہ ہر ساز پر گایا جا سکتا ہے۔

نعت ایک ایسی صنفِ سخن ہے جسے مشکل ترین کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں نہ انسان غزل کی مجازی فضا میں بھٹک سکتا ہے اور نہ قصیدہ نگاری کی طرح زمین کو آسمان بنا سکتا ہے۔ نعت کے حدود مقرر ہیں۔ ان سے نعت گو نہ بڑھ سکتا ہے' نہ گھٹ سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں متاعِ ایمان ہی کے سلب ہونے کا خدشہ ہے۔ دورِ حاضر کے اکثر شعرا نعت گوئی کا شوق تو رکھتے ہیں مگر احتیاط کے تقاضوں کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ صرف اس لیے کہ ان کی نگاہ میں نہ شریعت کے رموز ہوتے ہیں' نہ طریقت کے مقام۔ نتیجہ معلوم کہ بزعمِ خویش توصیفِ رسالت مآب ﷺ کا حق ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں مگر ان کا شوقِ بے حد' حد کو پھلانگتا اور مدحت کو بسا اوقات الوہیت تک لے جاتا ہے۔ جو بہرکیف توہین ہے۔ نعت گوئی کے لیے دل کی محبت ایک فطری شرط ہے مگر جذبۂ محبت کی اس روانی کو طغیانی سے بچانا مقصود ہے۔ حضرتِ رضاؔ نے خود نعت گوئی کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے' ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا ہے

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے۔ کہ اس میں صاف راستہ ہے' جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت

شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے"۔

اس احساس کے ساتھ اگر وہ شخصیت دین کے فہم سے بھی کماحقہٗ آشنا ہو، اس کا دل جذباتِ محبت سے بھی لبریز ہو، تو یہ توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ وہ شخصیت جب نعت نگاری پر آمادہ ہوگی تو ارادتاً افراط و تفریط کا شکار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں اشعار کی اکثریت ادب اور احتیاط کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ محتاط اندازِ فکر و نظر ہی سے "پاسِ ناموسِ عشق" کا دعوٰی ہو سکتا ہے۔ دیوانوں کی طرح سوچنا اور فرزانوں کی طرح لکھنا، ہر ذہن اور ہر قلم کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہوش و جنوں اور شعر و شریعت کی متوازن ہم آہنگی، نعت گوئی کے لیے جتنی ضروری ہے، اتنی ہی فنی اور جذباتی اعتبار سے مشکل بھی ہے۔ شعر کے ایمائی حسن کے لیے دلِ گداختہ ضروری ہے۔ سوزِ دروں کی یہ آنچ، مجازی دنیا میں تو بسا اوقات "آوردہ" ہوتی ہے۔ جب کہ نعت میں اس گداختگی کی بنیاد ایک ایسی اصلیت پر ہے جس سے بڑھ کر واقعیت کا کوئی سا تصوُّر بھی نہیں ہے۔ پیشِ نگاہ ایک ایسا وجودِ اکمل و اطہر ﷺ ہوتا ہے جس کی صورت فی الواقع نظر افروز، سیرت دل آرا اور طرزِ عمل قابلِ تقلید ہے۔ جس کی ہر بات وحیِ الٰہی کی ساختہ، پرداختہ اور پروردہ ہے۔ جس کے لب کھلتے ہی سچائیوں کے لیے ہیں۔ جس کی محبت، دینِ حق کی شرطِ اول ہے۔ جس کائناتِ حسن کی مرقع نگاری کا حق، شعر و سخن کا کوئی سا پیرایہ، بیان و بدیع کا کوئی سا انداز اور فصاحت و بلاغت کا کوئی سا آہنگ بھی ادا نہ کر سکتا ہو۔ جہاں بہت کچھ کہہ دینے کے باوجود بھی، بات عجز و نارسائی ہی کے اعتراف پر ختم ہوتی ہو۔ اور پھر جہاں مبالغہ آرائی، شجرِ ممنوعہ ہو، جہاں جوشِ آرزو مقصود ہو مگر حواس و ہوش کو

بچانا بھی لازم ہو، جہاں محبت کی وارفتگی کا اظہار، فرزانگی کی بصارتوں اور احتیاط کی بصیرتوں کے ساتھ کیا جاتا ہو۔

نعت میں نہ سوز، مجازی ہے، نہ تڑپ رسمی اور نہ آنسو، روایتی۔ جذبات کی یہی وہ واقعیت، بیان کا یہی وہ گداز اور اظہار کا یہی وہ خلوص ہے جو نعت کو تأثر اور تغزل کے منتہائے کمال پر لے جاتا اور غزل کی رسمی اور مجازی فضا کو بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ حضرتِ رضاؔ کا دل حبِّ رسول ﷺ سے معمور، قلم اظہارِ بیان پر قادر اور فکر فرموداتِ الٰہی سے مستنیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت میں تغزل کیف بداماں، جنوں نغمہ بار اور قلم گُل فشاں ہے۔ ان کی شاعری میں ایک نغماتی انبساط اور ایک ملکوتی حسن ہے۔ دورِ حاضر میں غزل ایمائی اعتبار سے نشتریت کو چھو رہی ہے اور گمان گزرتا ہے کہ یہی غزل گو جب نعت کہیں گے تو اس میں بھی حسن و کیف ہوگا مگر حضرتِ رضا کی نعت پڑھ کر یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہی قلم اگر غزل کہتا تو زبان و بیان کی کیسی کیسی جدّتیں ابھارتا اور فکر و خیال کی کیسی کیسی ندرتیں پیدا کرتا اور دنیائے غزل کے کیسے کیسے "میر تقیوں" کو پیچھے چھوڑ جاتا۔ ان کے ہاں بیان و بدیع کی بے شمار خوبصورت مثالیں ہیں اور ہر مثال علمی نکات اور شرعی بصائر کا دلآویز نمونہ ہے۔ بقولِ اخترؔ الحامدی

"آپ سرتاپا عشق کی شراب میں ڈوبے ہوئے ہیں، لیکن قلم ڈگمگاتے نہیں، پیئے ہوئے ہیں مگر بہکتے نہیں، جوش ہے مگر ہوش کے ساتھ، دل و روح کیف ہے مگر عقل ہوشیار ہے۔ جو قدم اٹھا منزل جاناں کی طرف، جب قدم پڑا شاہراہ

شریعت پر۔ دیوانے کی طرح رواں دواں ہیں مگر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ سراپا مدہوش ہیں مگر آپؐ کا قلم جاگ رہا ہے۔
آپؐ کے کلام میں آپ کا یہی جنون بیدار کارفرما ہے، جو تغزّل کی جان ہے"۔

نعت میں چونکہ انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں سوچ سوچ کر قدم اٹھانا اور پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے میں بات اکثر سپاٹ اور پھیکی ہو جاتی ہے۔ خیال سوجھتا ہے تو لفظ ساتھ نہیں دیتے۔ لفظ، ذہن میں ابھرتے ہیں تو مفہوم غیر واضح رہتا ہے، احتیاط کے تقاضے اتنے کڑے ہیں کہ دل کی بیشتر بیتابیوں کو دبانا پڑتا ہے۔ ایسی فضا میں بات کہنا اور وہ بھی برجستگی کے ساتھ، ان کی عظمت گفتار کی روشن دلیل ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں شاعرانہ صلاحیتوں اور ماہرانہ عظمتوں کے باوجود بات بنانا مشکل ہوتا ہے۔ لفظ و خیال کے حُسنِ امتزاج ہی سے تاثیر اُبھرتی ہے۔ یہ امتزاج، حضرت رضا کی نعت گوئی میں جابجا نظر آتا ہے۔ خیالات آنچلوں کی طرح لہراتے اور الفاظ موتیوں کی طرح چمکتے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں برجستہ گوئی کی بے شمار مثالیں ہیں، لفظ جہاں آگیا، نگینہ بن گیا ہے۔ کوشش کے باوصف اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں آسکتا۔ ان کے ہاں بات ارضی کم اور سماوی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

چھنتا ہے رُخِ وقت پہ الہام کی افشاں
اُن کا بھی قلم حضرتِ جبریلؑ کا پر ہے

ان کی نعت گوئی صحیح معنوں میں عطیہ الٰہی ہے۔ نعت کی عمارت اٹھتی ہی حب نبی ﷺ کی اساس پر ہے۔ یہ محبّت اللہ کی دین ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتی۔

دہد حق عشق احمد ﷺ بندگان چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شہ بادۂ نوشیدۂ خود را

اس ضمن میں قلم کو جنبش بھی اسی ذات بلند و برتر کی رحمت سے ہوتی اور "اڑان" بھی اسی کے کرم کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ مولا کریم جس قلم اور جس ذہن سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں، اسے خود ہی جودت اور بالیدگی عطا فرماتے ہیں، مانگنے والے کے دل میں خلوص ہو تو دینے والے کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ احمد رِضا بریلوی خواب دیکھتے ہیں کہ شارعِ عام پر ایک بلوریں فانوس لیے کھڑے ہیں، روشن کرنا چاہتے ہیں۔ دفعتاً" حضورِ پُرنور ﷺ تشریف لاتے ہیں اور انہیں پھونک مارنے کا حکم دیتے ہیں۔ پہلی ہی پھونک سے فانوس انوار کا کاشانہ بن جاتا ہے۔ اور پھر جب وہ دوسری بار حج کے لیے جاتے ہیں تو شوقِ زیارت فراواں ہے مگر بات بنتی نہیں۔ اس عالم میں وہ ایک نعت لکھتے ہیں اور پیش کرتے ہیں جس کا مطلع ہے۔

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کہ بگڑی بن جاتی اور تمنا بار آور ہو جاتی ہے ------ یوں یہ بات طے ہے کہ ان کی نعت میں تاثیر کی جو بے ساختگی اور جذبے کا جو والہانہ پن ہے، وہ سراسر الوہی عنایت ہے، بشری کمال نہیں۔

اسلام میں مختلف مکاتبِ فکر ہیں۔ ہر مکتبِ فکر اپنی ہی سوچ کو سچ جانتا ہے اور اس کی تبلیغ کو فرض سمجھتا ہے۔ ایک دینی عالم جب شعر کی دنیا میں قلم اٹھائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کی اپنی فکر وہاں در آئے گی۔ ایک مفکر کا ذہن اپنے

ہی نظریات کے گرد گھومتا ہے۔ بعینہٖ ایک عام ادیب اور شاعر جب اپنی ذہنی وابستگی سے ہٹ کر لکھے گا تو اس کے ادب کی حیثیت ایک کٹی ہوئی پتنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک قاری جب ایک ادیب و شاعر کو پڑھتا ہے تو گو وہ اس کے خیالات سے متفق نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس کے قلم کی جولانی اور انداز کی شگفتگی کی داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔ ادیب اور شاعر کی فنی طور پر یہی پرکھ ہے کہ اس نے بات کہی کیسے ہے؟ اور بسا اوقات یہ امر ثانوی رہ جاتا ہے کہ کیا کہا ہے؟ اگر مقصد اور فن دونوں میں صالحیت آجائے تو قلم سے نکلنے والا ہر جملہ اور ہر مصرع، سحر حلال بن جایا کرتا ہے۔ حضرتِ بریلویؒ اپنے اشعار میں اپنے مخالفین پر بھی برسے ہیں۔ اس برسنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کی رعنائیِ تحریر ہی سے منکر ہو جائیں۔ خوبی جہاں بھی ہے، تحسین اس کا حق ہے، علی گڑھ میگزین کے نظریاتی ادب نمبر ۱۹۵۸ء میں سلامت اللہ خاں اپنے مضمون "ادب اور عقیدہ" میں لکھتے ہیں۔

> "ادب عقیدے کے بغیر بھی وجود میں آسکتا ہے، یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ ادب الفاظ کے بغیر بھی تخلیق کیا جا سکتا ہے"۔

گویا جب تک ادیب اور شاعر کے ہاں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ نظریاتی صالحیت نہ ہو، اس کی تخلیق آفاقی تاب و تب سے محروم رہتی ہے، مقصدیت ہی قلم کی جنبشوں کو زندگی عطا کرتی ہے۔ قاری کا ان نظریات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ قاری ذوقِ سلیم کا حامل ہو تو وہ اختلاف کے باوصف، حسنِ ادا کی داد دے گا۔

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے
نکہتِ گُل بھی صدا ہوتی ہے

ضروری ہے کہ جہاں بھی کوئی حسن نظر آئے، اسے نگاہوں میں سمیٹ لیا جائے اور جو منظر نگاہوں پر بار گزرے اسے وجہِ نزاع بنانے کے بجائے، صرفِ نظر سے کام لیا جائے۔ پھول کے ساتھ اگر کانٹے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھولوں کو جنتِ نگاہ نہ سمجھا جائے۔ یہی وہ طرزِ فکر ہے جس سے حکایت حکایت رہتی ہے، شکایت نہیں بنتی۔

مولانا احمد رضا خاںؒ کو حضور ﷺ سے کس قدر محبت تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک بار آپ پالکی میں کہیں جا رہے تھے کہ دفعتاً آپ نے پالکی رکوائی اور کہا کہ کہاروں میں کوئی سیّد ذات کے ہیں۔ ایک کہار نے کہا کہ مزدور کی کوئی ذات نہیں ہوتی، وہ مزدور ہوتا ہے۔ اصرار کے بعد اس نے سیّد زادہ ہونے کا اعتراف کیا تو آپ نے اس سے نہ صرف معذرت کی بلکہ اسے پالکی میں سوار کرایا اور خود اپنے کندھوں پر پالکی اٹھائی کہ اس کہار کا تعلق اُس ذاتِ گرامی قدر ﷺ سے تھا جس کی خاکِ پا، ہمارے لیئے سرمۂ بصیرت ہے۔ جس کے اشارۂ ابرو سے وقت اپنا رخ بدلتا اور بہاریں پلٹ پلٹ آتی ہیں۔ اور جس کے خرامِ ناز کے طفیل بطحا کی ریت میں بھی ریشم کا لوچ محسوس ہوتا ہے اور جس کے انفاسِ پاک کی مہک کا فیض ہے کہ عرب کا ریگستان، کائناتِ ارضی و سماوی کے لیے نکہت بداماں ہے اور رہے گا۔ کہار کے بارے میں حضرتِ رضا کے احساس کا ابھرنا بھی، ان کے اس تعلقِ خاطر کی دلیل ہے جو انہیں حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تھا۔ اقبالؒ نے کہا تھا۔

بدرگاہِ سلاطیں تا کجا ایں چہرہ سائی ہا
بیاموز از خدائے خویش نازِ کبریائی ہا

شعرا عموماً" بادشاہوں کے حضور میں' برنگِ شعر سجدہ ہائے ارادت نذر کرتے رہے ہیں مگر حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہِ بندہ نواز سے نازِ کبریائی کی دولت پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی محبت کی بنا پر' ان کا دل اس قدر جھکا ہوا اور سر اس قدر اُٹھا ہوا تھا کہ اہلِ دولت کی طرف نگاہِ غلط انداز سے دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ ہم ادنیٰ ہیں مگر نسبت اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری فقیری پر بھی شان سلطانی رشک کرتی ہے۔ حضرتِ رضا سے ایک بار فرمائش کی گئی کہ نواب نانپارہ کے لیے کچھ مدحیہ اشعار لکھ دیں۔ آپ نے یہ سن کر ایک دلآویز نعت تحریر فرمائی اور اس کے مقطع میں اپنا مسلک یوں واضح فرمایا۔

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا' مرا دین پارۂ ناں نہیں

نان پارہ اور پارۂ ناں کی تراکیب نے بیان کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔ یہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی خاص نظرِ کرم ہے جو بندوں کو فقرِ غیور کی دولت سے مالا مال کرتی ہے اور انکسار کا یہی وہ پندار ہے جو انسان کو دربارِ شہ میں بھی سرکشیدہ رکھتا ہے۔ سید قاسم محمود کے الفاظ میں

"اعلیٰ حضرتؒ بچپن ہی سے تقویٰ' طہارت' اتباعِ سنت' پاکیزہ اخلاق اور حسنِ سیرت کے اوصاف سے مزین ہو چکے تھے۔ صرف چودہ برس کی عمر میں آپ جلیل الشان عالم'

عظیم المرتبت فاضل ہو گئے اور پھر چوّن برس تک مسلسل دینی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے سب کام حُبِّ الٰہی کے تحت تھے۔ نہ کسی کی تعریف کرتے اور نہ کسی کی ملامت کا خوف کھاتے"۔

حضور ﷺ عبدہٗ تھے۔ یہ مقامِ عبدیت تھا جس نے انہیں "بے مثل بشر" بنا دیا تھا۔ صرف بشر تو بھی ہوتے ہیں اور ہر نبی پر اس دور کے "اربابِ استکبار" نے یہی طنز کی تھی کہ تُو تو ہمارے جیسا ہے ------ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس میں عبدیت کا جمال' منتہائے کمال پر تھا اور جب بھی کسی خاکی انسان نے اس جمال کے انوار سمیٹنے اور بیان کرنے کی سعی کی' تو اسے اپنی تمام فکری اور شعری صلاحیتوں کے باوجود' یہ اعتراف کرنا پڑا۔

غالب ثنائے خواجہ ﷺ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

کیونکہ حضور ﷺ کے مقام کی یہی وہ شان ہے جہاں ہم اپنی جملہ رسائیوں کے باوجود نارسا ہیں۔ کیونکہ عبدیت کا نقطۂ کمال اور عبودیت کا مقامِ آغاز دونوں اس قدر قریب ہیں کہ ہر دو کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ نعت نگار کی شان یہی ہے کہ حضور ﷺ کو خدا کے بعد سبھی کچھ کہا جائے مگر خدا نہ کہا جائے۔ حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ انہوں نے حتی الامکان سعی کی ہے کہ عبودیت اور عبدیت میں فرق رہے کیونکہ توحید وہ نازک مقام ہے کہ وہاں کسی نوع کی کوئی سی شراکت بھی گوارا نہیں ہے۔ اسی بارگاہ میں سر خم ہوتے ہیں' وہیں ہاتھ اٹھتے ہیں اور

وہیں سے جذب و کیف کو بال و پر عطا ہوتے ہیں۔ احمد رضا خاںؒ اسی بارگاہ میں یوں سراپا دعا ہیں۔

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاکِ رسول ﷺ دکھا، تجھے اپنے ہی عزّ و عُلا کی قسم

وہ مدینہ جاتے ہیں تو شوقِ دل کو ایسا سجدہ گزارنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اس سجدے کی خبر سر کو بھی نہ ہونے پائے۔ وہ لحد کی تاریکیوں میں حُبِّ نبی ﷺ کے چراغ لے کر اترنا چاہتے ہیں، ان کے نزدیک روضۂ شہِ والا ﷺ کعبے کا کعبہ اس لیے ہے کہ بقولِ اقبالؔ۔

تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع یتیمے صورتِ پروانہ می آئی

ان کے نزدیک حضور ﷺ باغِ خلیل کا گلِ زیبا بھی ہیں اور جانِ تمنا بھی۔ گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا بھی اور درمانِ دردِ بلبلِ شیدا بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کمالِ حسن میں گمانِ نقص نہیں ہے۔ یہی وہ پھول ہے جو بے خار ہے اور یہی وہ شمع ہے جو بے دود ہے۔ وہ دلِ حزیں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ آنسو بن کر چمکے اور خاکِ مدینہ میں گھل مل جائے اور ان کا یہ شعر تو حاصلِ نعت گوئی معلوم ہوتا ہے۔

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

آپ کے معروف طویل سلام "مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کا ہر شعر مقامِ رسالت کے کسی نہ کسی رُخ کی دلآویزی کا اظہار کر رہا ہے۔

یہ سلام خود بولتا ہے کہ احمد رضا خاںؒ نعت گوئی کی اس اوگھٹ گھاٹی سے کس کامیابی کے ساتھ گزرے ہیں کہ نہ جبینِ شعر پر کوئی شکن آئی ہے اور نہ مدحتِ سرکار ﷺ کے شفّاف آئینے پر ہی کوئی بال آیا ہے۔

حضور ﷺ کی بارگاہِ ناز میں درود و سلام نذر کرنا، ہم مسلمانوں کے لیے حکمِ خداوندی کے تحت، فرض ہے۔ یہ ہماری نماز کا ایک کیف آفریں جُز ہے کہ اس حوالے کے بغیر دعا، شرفِ قبول کو نہیں پہنچتی اور دعا، عبادات کا جوہر ہے۔ منعمِ حقیقی کی جانب سے گنبدِ خضریٰ پر ہر لحظہ اکرام و انوار برستے رہتے ہیں، ملائکہ رحمتوں کے نورانی طبق لے کر پیہم اترتے رہتے ہیں اور ہم اپنی نارسائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ ہی سے ملتمس رہتے ہیں کہ وہی اپنے حبیب ﷺ کو زیادہ سے زیادہ نوازے تاکہ وہ نوازشہائے مسلسل، ہم عالمین پر بقدرِ ظرف و طلب بٹتی رہے۔ درود و سلام ہی وہ کسوٹی ہے جس پر مدعی کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ یہی وہ ترازو ہے جس سے محبت کی کیفیت اور کمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا موصوف نے ۱۷۱ اشعار پر مشتمل جو سلام تحریر کیا ہے، اس کا قبولِ عام، اس سلام کے بقائے دوام کی دلیل بھی ہے اور خود ان کے خلوصِ خاطر کا آئینہ بھی۔ دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والا ہر بول، ہر سامع اور ہر قاری کے دل کی دھڑکن بن جایا کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن، روح کی لرزش اور آنکھ کا آنسو، صداقتوں کا امین ہوا کرتا ہے۔ اس سلام کا ہر دل کی دھڑکن بن جانا، ثبوت ہے اس بات کا کہ اسے گنبدِ خضریٰ سے بھی پذیرائی کا شرف مل چکا ہے۔ یہ سلام جہاں شاعر کی وارفتگیٔ شوق کا ایک مترنم اظہار ہے، وہاں سیرت و اخلاقِ نبوت کی

ضیا باریوں کا ایک تاریخی مرقع بھی ہے۔ ہر شعر' ایک نئی تاریخی صداقت لے کر ابھرتا' نشاطِ روح بن کر جلوے بکھیرتا اور جنتِ نگاہ ہو کر ظلمتوں کو اجالتا چلا جاتا ہے۔ مولانا کے تتبع میں بہت سے ممتاز شعراء نے سلام لکھے ہیں اور نعت میں سلام و درود کا یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتا جا رہا ہے۔ بعض سلام' سادہ مترنم اور عام فہم بھی ہیں اور عوام الناس کی زبانوں پر رواں بھی رہے ہیں مگر مولانا کا یہ سلام قدیم ہونے کے باوجود اس جدید دور میں بھی اپنی قبولیت کے اعتبار سے روز بروز نکھرتا ہی جا رہا ہے۔ فنی اور شعری اعتبار سے بھی یہ کاوش اس قدر رفیع و حسین ہے کہ ناقد اپنے منصبِ نقد و نظر کو بھول کر' اس کے گداز و ترنم کے حضور میں دو زانو ہو جانے پر مجبور نظر آتا ہے۔ جناب نظیر لودھیانوی کے الفاظ میں۔

"اگر مولانا قصیدۂ شادیٔ اسریٰ اور اس سلام کے سوا نعت میں اور کچھ نہ کہتے' تب بھی نعتیہ ادب میں ان کا پلّہ بھاری رہتا"۔

یہ شعری کاوش جہاں جمالِ نبوت ﷺ کا ایک کیف آور بیان ہے' وہاں سخن آفرینی کے کمال کا ایک دلاویز اظہار بھی ہے۔ اس میں زورِ بیان کے ساتھ ساتھ بے پناہ روانی ہے۔ ایک نقاد کے بقول

"یہ سلام پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ شعر و حکمت کا بحرِ بیکراں پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں ہے جس میں معارف قرآن و حدیث' اسرارِ عشق و رموزِ معرفت اور زبان و بیان کے لاتعداد گہر ہائے گراں مایہ بہے چلے آ رہے

ہیں"۔

یاد رہے کہ جناب رضا کی شاعرانہ صلاحیتیں "کُلیتاً" خداداد تھیں۔ اس میدان میں انہوں نے کسی کے حضور میں زانوئے تلمذ بھی تہ نہیں کیا بلکہ حضور ﷺ ہی کے فیض سے ان کے فکر کو برنائی اور ان کے قلم کو رعنائی ملی۔ البتہ وہ شہیدِ جنگِ آزادی حضرت مولانا کفایت علی کافیؒ کے رنگِ نعت گوئی سے متأثر ضرور تھے۔ حضرتِ کافیؒ فرماتے ہیں:

قدمِ پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آ جاتی
چشمِ مشتاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے
کافیٔ کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے
لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

کچھ اسی نوع کا جذبِ دروں اور اسی انداز کا سوزِ نوا' حضرتِ رضاؒ کے ہاں بھی جابجا ملتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ ہی کا اتباع' اللہ تعالیٰ کا اتباع ہے' آپ ﷺ کی محبت ہی میں حُبِ الٰہی کا راز مضمر ہے۔ ایمان کا معیار حُبِ رسول ﷺ ہے۔ جب ہر دنیاوی محبت' حضور ﷺ کی محبت کے سامنے بے وقر ہو کر رہ جائے تو مسلمان ایمان کی تکمیل کو چھونے لگ جاتا ہے۔ حضرت فاضل بریلویؒ کو حضور ﷺ سے جنون کی حد تک جو محبت تھی' اس کا اعتراف ہر زبان اور ہر قلم کو ہے' محبت کی یہی وارفتگی جب شعر کے سانچے میں ڈھلی تو نعت بن گئی۔ اسی از خود رفتگی نے انہیں اس قدر محتاط بنا دیا تھا کہ وہ کوئی ایسا خفیف سا کلمہ سننے کے لیے بھی تیار نہ ہوتے تھے جس سے محبت کے آبگینے پر زد پڑتی ہو۔ یہ عطائے خاص

ہے کہ انہیں علمِ دین ملا اور اس علم کا مرکز دل کی دھڑکنیں رہیں، ذہن کی موشگافیاں نہیں۔ دل کے راستے علم کی دولت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔

حضرتِ رضا (علیہ الرحمہ) کا دورِ زبان کی صحت مندانہ شگفتگی اور بیان کی غزل آمیز اثر آفرینی کے اعتبار سے ایک ایسا مثالی دور تھا جو بہر رنگ معاصرین کے لیے ایک ادبی چیلنج اور بعد والوں کے لیے قابلِ استفادہ ٹھہرتا ہے۔ مگر یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ حالیؔ، امیرؔ مینائی، اکبر الہ آبادی ایسے کاملینِ فن، جب غزل سے ہٹ کر اور مجاز سے کٹ کر نعت کے میدان میں وارد ہوتے ہیں تو ان کے لیے وہاں اپنے خاص معیارِ تغزل کو قائم رکھنا مشکل نظر آتا ہے۔ کیونکہ نعت میں ہر مقام، مقامِ احتیاط ہے۔ یہاں نہ اشہبِ قلم بگٹٹ دوڑ سکتا ہے اور نہ سمندِ شوق بے باک و بے پروا ہو سکتا ہے۔ ایسے نازک مقام پر کہ جہاں سانس بھی ہولے سے لینا پڑے اور جہاں سکوت ہی تکلّمِ بلیغ کی حیثیت رکھتا ہو، وہاں زبان کی نفاستوں، شعر کی لطافتوں، فکر کی نظافتوں اور اسلوب و ادا کی صداقتوں کو نبھانا کسی کسی کا کام ہے، یہ توفیق ہر ایک کو نہیں ملتی۔ اور اس اعتبار سے حضرتِ رضاؔ فی الواقع خوش نصیب ہیں۔

سچا شاعر تلمیذِ فطرت ہوتا ہے۔ خیال کے مطابق لفظ بھی اسے عطا ہوتے ہیں۔ حضرتِ رضا کا نعتیہ کلام اپنے اندر فکری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ادا کی سادگی بھی لیے ہوئے ہے۔ بدیع و بیان کی بوقلموں رعنائیاں بھی جلوہ گر ہیں۔ تراکیب کا حسن بھی لو دے رہا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ ان کے ہاں زبان و بیان دونوں، خیال کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جہاں نبوّت کے جمال کا ذکر ہے، وہاں الفاظ بھی دلکش اور دلآرا ہیں۔ جہاں سیرت کے کمال کا بیان ہے وہاں اظہار و بیان

کی بلاغتیں بھی منتہائے کمال پر نظر آتی ہیں۔ جہاں خصائصِ نبوت کا ذکر ہے وہاں لب و لہجہ کی ادائیں بھی تخصیص کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں، گویا ان کے نعتیہ کلام سے ایک سخن شناس کے ذوق کو بھی آسودگی ملتی ہے، ایک فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کا احساس بھی نصیب ہوتا ہے اور ایک دلِ درد آشنا کو سوز کی وہ لذت اور نشاط و کیف کے وہ لمحے بھی میسر آتے ہیں، جنہیں کوئی سا قلم بھی بیان نہیں کر سکتا۔ یہی وہ لمحاتی کیف ہے جس کے طفیل روز و شب اس کہکشاں میں گزرتے ہیں جس کی تمنا میں عمریں تمام ہو جاتی ہیں۔

بس اک نگاہِ تبسّم نواز مل جائے
تمام عمر میں ڈھلتا رہا ہوں آہوں میں

حضرتِ رضا کی جدّت آفریں علمیت اور فنی نزاکتوں پر ماہرانہ دسترس کا اندازہ مطلوب ہو تو ان کی وہ معروف نعت دیکھیے جس میں عربی کی بلاغت بھی ہے، فارسی کی حلاوت بھی، ہندی کا گداز بھی اور اردو کی لطافت بھی۔ چار مختلف زبانوں کے اس امتزاج کے باوجود نہ کہیں بیان کا لطف مجروح ہوا ہے، نہ کہیں ادا کے حسن میں فرق پڑا ہے۔ کہیں کہیں مشکل پسندی کا احساس ہوتا ہے مگر بحیثیتِ مجموعی بات شگفتہ اور رواں دواں ہے ــــــ الغرض ادائے خیال کے جتنے بھی پیرائے ہیں، شکوہِ الفاظ کے جتنے بھی انداز ہیں، بیان و بدیع کی جتنی بھی رعنائیاں ہیں، خیال و فکر کے جتنے بھی زاویے ہیں، فصاحت و بلاغت کی جتنی بھی کیف آفرینیاں ہیں اور نعت سرائی میں احترام و احتیاط کے جتنے بھی تقاضے ہیں، ان کا بیشتر حصہ "حدائقِ بخشش" میں اپنی تمام تر نور سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اگر ان تمام نور پاروں کو یکجا کر دیا جائے تو شاعرانہ علائم و رموز کا ایک

خوبصورت مجموعہ وجود میں آسکتا ہے۔

قدیم و جدید نعت گوئی میں امتیازی فرق یہ ہے کہ پہلے شاعر نعت میں زیادہ زور سراپائے رسالت مآب ﷺ کے کمالِ جمال پر دیتے تھے۔ وہ حسنِ ذات میں اس قدر از خود رفتہ ہوتے تھے کہ جب یہ جمالِ جہانتاب اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نعت کے رنگ میں ان کے قلم کی نوک پر ضوفشاں ہوتا تھا تو ان الفاظ کا طواف خود جلوے کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ شاعری کا رخ بدلتا گیا۔ غمِ روزگار زیادہ دلفریب ہوگیا۔ غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی اس آویزش کا اثر نعت پر بھی پڑا۔ نتیجہ معلوم کہ نعت میں حسنِ صورت کا بیان کم اور جمالِ سیرت کا ذکر زیادہ ہوتا چلا گیا۔ زمانے کی تلخیوں، غم کی شدتوں اور جنوں کی آبلہ پائیوں کو گنبدِ خضریٰ ہی کے خنک سائے میں آسودگی، راحت اور سکون نصیب ہوا۔ طائف کے اس عظیم و جلیل مسافر نے ہمارے لیے ستم سہنے کے سبھی مرحلے آسان کر دیئے۔ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے غلام آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے لو لگا کر تخت و تاج کی رعونتوں کو نیزوں پر اچھالتے اور وقت کے فرعونوں کو حقارت کی ٹھوکروں سے اڑاتے رہے۔ آپ ﷺ ہی نے زمین کے ذروں کو اڑنا سکھایا اور آپ ﷺ ہی نے آسمان کی رفعتوں کو انسان کے پاؤں تلے بچھا دیا ---- اس تناظر میں اگر حضرتِ رضا کی نعت کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخِ اسلام کی صداقتیں اس آہنگ سے رقصاں و درخشاں ہیں کہ جہاں انوار کی یہ لپک، نگاہوں سے لپٹتی ہے، وہاں نعت گو کی علمی وجاہتوں کے حضور میں، دل جھک جھک جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جمالِ ظاہری کے تذکرے بھی ہیں اور کمالِ معنوی کا دل نشیں بیان بھی۔

آپ نے جہاں روایت کو سنبھالا دیا وہاں جدید دور کے لیے ایسی اساس بھی فراہم کی جس پر آج کا شاعر ناز کرتا اور خود کو منفرد گردانتا ہے۔ گویا وہ ان اولین شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اردو نعت کو ایک مستقل فن اور صنف کی حیثیت دی۔ نعت سرائی کے قدیم انداز اور جدید رخ کا ایسا خوبصورت امتزاج کسی اور نعت گو کے ہاں مشکل ہی سے ملے گا'۔ افسوس کہ ان کے کلام کو جانبدارانہ تعصُّب سے دیکھا گیا۔ نتیجہ معلوم کہ محاسن کو نظرانداز کیا گیا اور آج بقول ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حضرتِ رضا بریلوی نعت گو شعرا کے امام اور مملکتِ نعت گوئی کے سلطان ہیں۔ اس حقیقت کو اگرچہ ماضی میں تسلیم نہیں کیا گیا مگر اب اہلِ نظر فراخ حوصلگی سے تسلیم کر رہے ہیں اور اس امر پر اظہار افسوس کر رہے ہیں کہ جواب جانا پہچانا گیا ہے، پہلے کیوں نہ جانا پہچانا گیا"۔

حضرتِ رضا بریلویؒ نے نعت کو ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت دی، نعت کے لیے غزل کی ہیئت کو اختیار کیا۔ یوں انہوں نے جدید دور کے شعرا کو نعت گوئی کے لیے ایک ترقی پذیر اور تاثر آفرین سانچا فراہم کیا۔ دورِ حاضر کے سب سے بڑے مفکّر شاعر، علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے انحطاط کی بنیادی وجہ حضور ﷺ سے قلبی تعلق میں کمی یا فقدان کو قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمان اس لیے زار اور خوار ہیں کہ وہ دل تو رکھتے ہیں مگر محبوب نہیں رکھتے اور محبوب کے تصوّر کے بغیر دل محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ اور اس دل سے نکلنے والی آواز اور اس قلم سے ابھرنے والا شعر، محض بے کیف لفظوں کا مجموعہ تو ہو سکتا ہے، اس میں نشتریت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عقل سے لے کر حکمت تک، علم سے لے کر نظر تک اور خودی سے لے کر بے خودی تک، جتنی منزلیں

ہیں، ان تک پہنچنے کے لیے اقبال کے نزدیک اُسوۂ حسنہ ہی واحد راستہ ہے۔ یہی وہ تعلق ہے جسے اپنا کر، انسانی زندگی پر مہر و ماہ رشک کرتے ہیں اور اس نسبت سے ہٹ کر، زندگی بے آبروئی اور رسوائی کو اپنا مقصد بنا لیتی ہے۔ گو اقبالؒ نے صرف نعت گوئی کو اپنا مقصود نہیں بنایا، مگر جب بھی وہ حضور ﷺ کا حوالہ دیتے ہیں (اور یہ حوالے جابجا ہیں کہ انہی حوالوں سے ان کی شاعری پر نور ہے) تو اس اسمِ گرامی کے آتے ہی اقبال کا علم انوار بکھیرنے لگ جاتا ہے۔۔۔ حضرتِ رضا بریلویؒ کی شعری کاوشوں کا تاثر، جمال اور دلآویزی بھی حُبِّ رسول ﷺ ہی کی دین ہے کہ خیال میں رعنائی ہے تو اسی نام سے، دل میں نور ہے تو اسی تصور سے اور قلم میں بینائی ہے تو اسی ذکر سے۔ حضرتِ رضاؒ کا سرمایۂ نعت، قدیم رنگ کا حامل ہے، جبکہ اقبال کے پیش نظر جدید دور اور امتِ مسلمہ کے سیاسی اور عمرانی مسائل تھے، اس لیے انہوں نے تفہیم و ابلاغ کے لیے بھی اظہار میں جدت پیدا کی کہ اظہار و بیان کا انداز وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ بہرکیف دونوں کے پیش نظر حبِّ رسول ﷺ کے جذبے کو برقرار، محکم اور استوار کرنا ہے۔ جس کے بغیر ہماری حیات، ممات، برزخ اور آخرت چاروں بے کیف و بے رنگ ہیں۔ فاضل بریلویؒ نے اگر کہا۔

لحد میں عشقِ رُخِ شہ ﷺ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی، چراغ لے کے چلے

تو اقبالؒ نے کہا۔

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اور دل زندہ ہوتا ہی حضور ﷺ کی محبت سے ہے۔ جناب راجا رشید محمودؔ کے الفاظ میں "دیارِ پاک میں حاضری کی تمنا نے دونوں کو بے چین رکھا۔ ایک کو خدا نے توفیق بخشی اور دوسرے کو تڑپ کی لذت میں شاد کامی عطا کی گئی"۔

الغرض دونوں کے کلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے فکری ہم آہنگی جھلکتی ہے۔ موضوع اور مقصد کے اعتبار سے انداز اپنا اپنا ہے، کہیں کہیں اقبال کے انداز پر بھی اخذ و استفادہ کا گمان گزرتا ہے۔

چودھری افضل حق مرحوم کا یہ جملہ کہ "اعترافِ عظمت کے لیے بھی باعظمت انسان ہونا ضروری ہے" میرے نزدیک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اختلاف کی بنیاد اگر خلوص ہو تو اس کا نتیجہ مخاصمت کی شکل میں نہیں بلکہ رحمت کی شکل میں نکلتا ہے۔ اگر نیت اور ذہنیت ہی راست نہ ہو تو پھولوں پر بھی کانٹوں کا گمان ہوتا ہے۔ کتنے ہی دانشور ہیں جنہوں نے حضرت احمد رضا بریلویؒ کی شعری عظمتوں اور فکری صداقتوں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ نظریاتی بُعد کے باوجود کسی کی شخصی وجاہت اور فکری ثقاہت کو تسلیم کرنا، خود شرفِ انسانی اور شرافتِ انسانی کی ایک روشن دلیل ہے۔ چند آرا دیکھیے۔

"ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضا خاںؒ جیسا طبّاع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمالِ فقاہت اور علومِ دینیہ میں تبحرِ علمی کے شاہدِ عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے اس پر مضبوطی

سے قائم رہتے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں، اس لیے انھیں اپنے شرعی فیصلوں میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی، بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رِضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ تھے"۔

(علامہ اقبال)

"احمد رِضا خاں کی شخصیت، ان کی شاعری اور شاعری ان کی شخصیت ہے، شخصیت اور شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعرا کے ہاں ملے گی"۔

(ڈاکٹر سلام سندیلوی)

"میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام سے پہلا تأثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے، وہ مولانا کی بے پناہ وابستگیٔ رسولِ عربی ﷺ کا ہے.... ان کے کلام سے ان کے بیکراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں"۔

(نیاز فتحپوری)

"مولانا دینی علوم کے جامع تھے۔ دینی علم و فضل کے ساتھ

ساتھ شیوا بیان شاعر بھی تھے۔ ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مجازی راہِ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول ﷺ کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ ان کے بھائی مولانا حسنؔ رِضا خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغؔ سے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رِضا خاں کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں داغؔ کو حسنؔ بریلوی نے سنایا تو داغؔ نے بہت تعریف کی اور فرمایا کہ مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے"۔

(ماہر القادری)

"آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی و ادبی میراث کا بیش قیمت حصہ بن چکی ہیں"۔

(سید علی عباس جلالپوری)

"اس میں کوئی شک نہیں کہ عشقِ رسول ﷺ ان کی نعتوں میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوتا ہے"۔

(مولانا کوثر نیازی)

"وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اس لیے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف کم توجہ دی گئی حالانکہ ان کا کلام اس پائے کا ہے کہ انھیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دینی چاہیے"۔

(افتخار اعظمی)

"مولانا نے چھوٹی بحروں میں لکھ کر جو بڑی بڑی باتیں کہی ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ مولانا نے نعت گوئی میں ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد ڈالی، جس کی چھاپ آج بیشتر مشاہیر کے کلام میں نظر آتی ہے"۔

(عابد نظامی)

"دیوانِ رضا، عرفان و وجدان کا قاموس ہے"۔

(شمیم اشرف)

"مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا، وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ شعر و ادب میں ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال اور بیان و بدیع کے تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یکجا کر لیے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتا ہے"۔

(ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں)

"انہوں نے سادہ مگر پُرکار الفاظ میں اپنے خیالات کو ڈھالا ہے کہ وجدان عش عش کرنے لگتا ہے"۔

(طاہر تونسوی)

"ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں"۔

(کالی داس گپتا رضا)

"وہ جیّد عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحبِ نظر مفسرِ قرآن، عظیم محدّث اور سحر بیان خطیب تھے لیکن ان تمام درجات رفیع سے بلند ان کا درجہ ہے اور وہ ہے عاشقِ رسول ﷺ کا"۔

(ڈاکٹر سیّد عبداللہ)

"آپ کے کلام میں جو والہانہ سرشاری، سپردگی اور سوز و گداز کی کیفیت ملتی ہے، وہ اردو کے نعت گو شعرا میں اپنی مثال آپ ہے"۔

(خلیل الرحمن اعظمی)

"ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے"۔

(سید عابد علی عابد)

"حضرت فاضلِ بریلوی کی حبِ رسول ﷺ ہی تھی جس نے نعتوں کا پیکر اختیار کیا۔ نعت کہتے وقت وہ کوئی قافیہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لیے نعت عموماً طویل ہو جاتی تھی۔ لہٰذا تمام اشعار مضامینِ اور زبان کے لحاظ سے یکساں وزنی نہیں ہوتے تھے۔ بعض اشعار تو ایسے انوکھے ہوتے ہیں کہ ان کا جواب مشکل ہی سے مل سکتا ہے"۔

(سید محمد جعفر شاہ پھلواری)

"انہوں نے کبھی اپنی استادی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ جو قدرو

مقبولیت ان کے کلام کو حاصل رہی' اسے وہ ہاتفِ غیبی کا
فیض بتاتے ہیں جو اُن کے عشقِ رسول ﷺ کا نتیجہ ہے"۔

(جلیل قدوائی)

"کلامِ رضا میں حسنِ صورت بھی ہے' حسنِ معنی بھی' اور
حسنِ تاثیر بھی۔ ان تینوں کا یکجا ہو جانا شاعر کے جمالِ قلب و
نظر کا اعجاز ہے"۔

(ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

"ان کے نغموں سے عشق و مستی کا جہان آباد ہے۔ دلوں کو
نئی زندگی مل رہی ہے' عشق کو فروغ نصیب ہو رہا ہے اور
محبت نغمہ خواں بن کر روحوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے"۔

(حافظ مظہر الدین)

"آپ کا عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈوبا ہوا پُر خلوص اور بے نظیر
کلام بلاغت نظام' حقائق و معارف کا حسین مرقع' جدتِ
تمثیل' ندرتِ تخیل اور شاعرانہ قدرت و مہارت کے علاوہ
آیات و احادیثِ مقدسہ' نرم و نازک تشبیہات و پاکیزہ
استعارات سے بھرپور ہے"۔

(قمر یزدانی)

انتخابِ کلامِ رضا

میں نے اس مقالے میں حضرتِ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے

جابجا حوالوں سے عملاً گریز کیا ہے کہ میں آخر میں ان کے کلام کا ایک انتخاب دینا چاہتا تھا۔ انتخاب ہر قاری کے اپنے ادبی ذوق کے مطابق ہوتا ہے۔ اور نہیں چاہیے کہ کوئی شخص اپنا انتخاب کسی دوسرے پر ٹھونسے اور چاہیے کہ ہر طالب اور شائق خود کسی شاعر کے کلام کو دیکھے' پرکھے اور اس سے لطف لے۔ حضرتِ رضا کی اردو نعت کا یہ مختصر انتخاب وقت کی اس ضرورت کے تحت کیا گیا ہے کہ دورِ حاضر کے قاری کے پاس وقت کی بھی کمی ہے اور علم کی بھی۔ فارسی اور عربی کی بلاغتوں کا وہ ادا شناس کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مضمون و ادا کے اعتبار سے اردو کے بعض بلیغ اور عمیق اشعار اس کی فہم و فراست کے لیے ایک بوجھ بن جاتے ہیں۔ اس کا مطالعہ بھی محدود ہے اور علم بھی مسدود ----- دل کی دھڑکنوں' شوق کی وسعتوں' روح کی لرزشوں اور نظر کی تمناؤں کا اندازہ تو اس علیم و خبیر ذات ہی کو ہے۔ بہرکیف یہ انتخاب ایسے ہی "پڑھے لکھے اَن پڑھوں" (راقم بھی اسی قبیلے کا فرد ہے) کے لیے ہے' تاکہ کم سے کم وقت میں' حضرتِ رضا کی نعتیہ عظمتوں کا زیادہ سے زیادہ اندازہ ہو سکے ----- اور کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ ایسے علمی طور پر بے مایہ انسان' نعتِ رضا کی عالمانہ بصیرتوں اور اظہار و بیان کی مشکل پسند پیچیدگیوں میں الجھ کر' اپنے علمی افلاس کا ماتم کرنے کے بجائے' نعت کے اس دلآویز مرقع کے مطالعہ ہی سے دست کش ہو جائیں ------ اس انتخاب میں علمائے کرام کی ضیافتِ ذوق کا اتنا سامان نہیں' جتنا عوام کی علمی پسماندگی کے تقاضوں کو دخل ہے۔ اس سلسلے میں' میری اپنی نارسائیاں' حضرتِ رضا کے گلہائے نعت کی فراوانیوں سے بہرکیف معذرت طلب ہیں۔

میں ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

○

واہ، کیا جُود و کرم ہے شہِ بطحا ﷺ تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے، وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے، وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم! نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسُّس میں ہے دریا تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے، وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے، وہ ہے رستا تیرا

ایک میں کیا، مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

خوار و بیمار، خطا وار، گنہ گار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا ﷺ تیرا

تیرے صدقے! مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

○

باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مستِ بو ہیں بلبلیں، پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا

بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا

جو گدا دیکھو، لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے، کیا اس میں توڑا نور کا

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا

قبرِ انور کہیے یا قصرِ معلّٰی نور کا
چرخِ اطلس یا کوئی سادہ سا قُبّہ نور کا

ذرّے مہرِ قدس تک تیرے توسُّط سے گئے
حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

اے رضا یہ احمدِ نوریؒ کا فیضِ نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

○

مہر ہے مشعلہ افروزِ شبستاں کس کا
ماہ ہے پرتوۂ شمسۂ ایواں کس کا

سنبل آشفتہ ہے کس گُل کے غم گیسو میں
دیدۂ نرگس بیمار ہے حیراں کس کا

کیوں نہ گلشن، مری خوشبوئے دہن سے مہکے
باغِ عالم میں، میں بلبل ہوں ثنا خواں کس کا

ہر سحر عرش سے ہے مرقدِ شہ ﷺ کا یہ خطاب
کیا خبر تجھ کو نہیں، میں ہوں شبستاں کس کا

آفتِ جانِ عنادل ہے ترا حسن اے گل
رنگ اڑایا ہے یہ اے جانِ گلستاں کس کا

یا نبی ﷺ، جس کی اماں چاہے رضائے خستہ
تیرے دامن کے سوا اور ہے داماں کس کا

○

گلے سے باہر آ سکتا نہیں شورِ فغاں دل کا
الٰہی، چاک ہو جائے گریباں ان کے بسمل کا

شبِ اسریٰ قمر حیرت زدہ پھرتا رہا شب بھر
بھلایا ڈھنگ ان کی چال نے سیرِ منازل کا

حجابِ نور تک پہنچا کے آنکھیں ہو گئیں خیرہ
فغاں کرتا ہوا لوٹ آیا قاصد نالۂ دل کا

کسے کہتے ہیں خود، یہ تابشیں یہ گرمیاں کیسی
جھلکتا ہے شرارہ آسماں پر سوزشِ دل کا

یہ کس کے رعبِ آمد نے کیا عالم تہ و بالا
کہ شیرازہ پریشاں ہو گیا ہر نظمِ باطل کا

کسی وحشی کی خاک اڑ کر چمن میں آ گئی شاید
بگولوں سے ہے اٹھتا شورِ مستانہ سلاسل کا

رضائے خستہ کیا کہنا، عجب جادو بیانی ہے
نمک ہر نغمۂ شیریں میں ہے شورِ عنادل کا

○

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم ﷺ
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

خم ہو گئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن، ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین ﷺ
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

○

غم ہو گئے بے شمار آقا ﷺ
بندہ تیرے نثار آقا ﷺ

ہلکا ہے اگر ہمارا پلّہ
بھاری ہے ترا وقار آقا ﷺ

تم وہ کہ کرم کو ناز تم سے
میں وہ کہ بدی کو عار آقا ﷺ

پھر منہ نہ پڑے کبھی خزاں کا
دیدے ایسی بہار آقا ﷺ

○

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ وحدت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

الٰہی، منتظر ہوں، وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخوابِ بصارت کا

زبانِ خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے
تڑپنا دشتِ طیبہ میں جگر افگارِ فرقت کا
رضائے خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان ﷺ کی رحمت کا

○

نہ آسمان کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنارِ خارِ مدینہ دمیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو
سلامِ ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا
نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی
کہ صبحِ گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاکِ مزارِ پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

○

جب بامِ تجلّی پر وہ نیّرِ جاں آیا
سر تھا جو گرا جھک کر، دل تھا جو تپاں آیا
طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ فنا ہونگے
دیکھو گے چمن والو، جب عہدِ خزاں آیا

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا
جلتی تھی زمیں کیسی، تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

○

جبکہ پیدا شہِ انس و جاں ﷺ ہو گیا
دُور کعبہ سے لوثِ بتاں ہو گیا
تھا بُراقِ نبی ﷺ یا کہ نورِ نظر
یہ گیا، وہ گیا، وہ نہاں ہو گیا
یا نبی ﷺ لو خبر، آتشِ غم سے مَیں
تفتہ جاں، تفتہ جاں، تفتہ جاں ہو گیا
گزرے جس کوچے سے شاہِ گردوں جناب ﷺ
آسماں، آسماں، آسماں ہو گیا
کس کے رُوئے منور کی یاد آ گئی
دل تپاں، دل تپاں، دل تپاں ہو گیا
طوطیٔ سدرہ، وصفِ رُخِ پاک میں
گلفشاں، گلفشاں، گلفشاں ہو گیا
طوطیٔ اصفہاں، سن کلامِ رضا
بے زباں، بے زباں، بے زباں ہو گیا

○

بڑھ چلی تیری ضیا اندھیر عالم سے گھٹا
کھُل گیا گیسو ترا رحمت کا بادل گھر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھر تھرا کر گر گیا

میں ترے ہاتھوں کے صدقے، کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتہً منہ پھر گیا

کیوں جنابِ بوہریرہؓ تھا وہ کیسا جامِ شیر
جس سے ستّر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

ٹھوکریں کھاتے پھروگے، ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رِضاؔ اول گیا، آخر گیا

○

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

جان و دل، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

○

تابِ مرآتِ سحر، گردِ بیابانِ عرب
غازۂ رُوئے قمر، دُودِ چراغانِ عرب

اللہ اللہ، بہارِ چمنستانِ عرب
پاک ہیں لوثِ خزاں سے گل و ریحانِ عرب

عرش سے مُژدۂ بلقیسِ شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں، مُرغِ سلیمانِ عرب

کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بُوئے قمیص
یوسفستان ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب

پائے جبریلؑ نے سرکار ﷺ سے کیا کیا القاب
خسروِ خیلِ ملک، خادمِ سلطانِ عرب

○

پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب
پھر کھنچا دامنِ دل سُوئے بیابانِ عرب

صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گلزار
کچھ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستانِ عرب

○

زہے عزّت و اعتلائے محمد ﷺ
کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد ﷺ

مکاں عرش ان کا، فلک فرش ان کا
ملک خادمانِ سرائے محمد ﷺ

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

عجب کیا اگر رحم فرمائے ہم پر
خدائے محمد ﷺ برائے محمد ﷺ

دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر
محمدؐ محمدؐ خدائے محمد ﷺ

خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محوِ لقائے محمد

○

گزرے جس راہ سے وہ سیّدِ والا ﷺ ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہو کر

رُخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہو کر

چمنِ طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبلِ شیدا ہو کر

ہے یہ امید رضاؔ کو تری رحمت سے شہا
نہ ہو زندانیٔ دوزخ ترا بندہ ہو کر

○

کیا ٹھیک ہو رُخِ نبوی ﷺ پر مثالِ گل
پامالِ جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل

جنت ہے ان کے جلوہ سے جُویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل

غمگیں ہے شوقِ غازۂ خاکِ مدینہ میں
شبنم سے دھل سکے گی نہ گردِ ملالِ گل

نعتِ حضور ﷺ میں مترنّم ہے عندلیب
شاخوں کے جھومنے سے عیاں وجد و حالِ گل

چاہے خدا تو پائیں گے عشقِ نبی ﷺ میں خلد
نکلی ہے نامۂ دلِ پُرخوں میں فالِ گل

○

سرتا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن ﷺ پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

کیا غازہ مَلا گردِ مدینہ کا جو ہے آج
نکھرے ہوئے جوبن میں قیامت کی پھبن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول

کیا بات رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی
زہراؓ ہے کلی جس میں، حسینؓ اور حسنؓ پھول

○

رشکِ قمر ہوں' رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرّہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ﷺ ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پُر آب ہوں
دل ہوں تو برق کا دلِ پُر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں شہا ﷺ
رنگِ پریدۂ رُخِ گل کا جواب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں بحرِ کرم مدد
پروردۂ کنارِ سراب و حباب ہوں
عبرت فزا ہے شرمِ گنہ سے مرا سکوت
گویا لبِ خموشِ لحد کا جواب ہوں
دل بستہ' بے قرار' جگر چاک' اشکبار
غنچہ ہوں گل ہوں برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں
دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر
دفتر میں عاصیوں کے شہا ﷺ انتخاب ہوں
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ ﷺ کا
پر لطف جب ہے کہ دیں اگر وہ جناب "ہوں"
حسرت میں خاک بوسئ طیبہ کی اے رضاؔ
ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں

○

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
ہر چراغِ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں' میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
لاکھوں قدسی ہیں کام خدمت پر
لاکھوں گردِ مزار پھرتے ہیں

○

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں' کوچے بسا دیئے ہیں
جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں' روتے ہنسا دیئے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو'
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں
اللہ' کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفیٰ ﷺ نے دریا بہا دیئے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں' دُر بے بہا دیئے ہیں

ملکِ سخن کی شاہی، تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو، سکّے بٹھا دیئے ہیں

○

ہے لبِ عیسیٰؑ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ابرِ نیساں مومنوں کو، تیغِ عریاں کفر پر
جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

آہ، وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود
وقفِ سنگِ در جبیں، روضہ کی جالی ہاتھ میں

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

○

راہِ عرفاں سے جو ہم نے نادیدہ رو محرم نہیں
مصطفیٰ ﷺ ہے مسندِ ارشاد پر، کچھ غم نہیں

اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم، اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرتِ کوثر میں زمزم کی طرح کم کم نہیں

ایسا اُمّی کس لیے منت کشِ استاذ ہو
کیا کفایت اس کو "اِقْرَاْ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ" نہیں

ہے اُنہی کے دم قدم سے باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

سایۂ دیوار و خاکِ در ہو یا رب اور رضاؔ
خواہشِ دیہیمِ قیصر، شوقِ تختِ جم نہیں

○

وہ کمالِ حُسنِ حضور ﷺ ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر، ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سُخن ہے جس میں سُخن نہ ہو، وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

○

وصفِ رُخ ان کا کیا کرتے ہیں شرحِ والشّمس و ضُحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

تو ہے خورشیدِ رسالت پیارے، چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیاءؑ اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

رفعتِ ذکر ہے تیرا حصہ، دونوں عالم میں ہے تیرا چرچا
مُرغِ فردوس پس از حمدِ خدا تیری ہی مدح و ثنا کرتے ہیں

جس کے جلوے سے احد ہے تاباں، معدنِ نور ہے اس کا داماں
ہم بھی اس چاند پہ ہو کر قرباں دلِ سنگیں کی جلا کرتے ہیں

لب پہ آجاتا ہے جب نامِ جناب، منہ میں گھل جاتا ہے شہدِ نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جاں بے تاب، اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

○

چمنِ طیبہ میں سُنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکنِ ناز پہ وارے گیسو

ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپشِ محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے ﷺ کے پیارے گیسو

سُوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

دیکھو قرآں میں شبِ قدر ہے تا مطلعِ فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

تارِ شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اک دم ہوں کنارے گیسو

تیل کی بوند ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ

صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

○

یاد میں جس کی نہیں ہوشِ تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ، اے مہرِ فروزاں ہم کو

دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں
کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گلِ خنداں ہم کو

کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو

عرش جس خوبیِ رفتار کا پامال ہوا
دو قدم چل کے دکھا سروِ خراماں ہم کو

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

نیرِ حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ، ملے سایۂ داماں ہم کو

پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا لے مہِ تاباں ہم کو

اے رضاؔ وصفِ رخِ پاک سنانے کے لیے
نذر دیتے ہیں چمن مرغِ غزل خواں ہم کو

○

پُل سے اتارو، راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریلؑ پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو

فریاد اُمتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر ﷺ کو خبر نہ ہو

کہتی تھی یہ براق سے اس کی سبک روی
یوں جائیے کہ گردِ سفر کو خبر نہ ہو

طیرِ حرم ہیں یہ کہیں رشتہ بپا نہ ہوں
یوں دیکھیے کہ تارِ نظر کو خبر نہ ہو

اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو

○

مصطفیٰ، خیر الوریٰ ﷺ ہو
سرورِ ہر دوسرا ﷺ ہو

کس کے پھر ہو کر رہیں ہم
گر تمہیں ہم کو نہ چاہو

ہم وہی ناشُستہ رو ہیں
تم وہی بحرِ صفا ہو

ہم وہی شایانِ رد ہیں
تم وہی شانِ سخا ہو

ہم وہی بے شرم و بد ہیں
تم وہی کانِ حیا ہو

ہم وہی ننگِ جفا ہیں
تم وہی جانِ وفا ہو

ہم وہی قابل سزا کے
تم وہی رحمِ خدا ہو

چرخ بدلے، دہر بدلے
تم بدلنے سے ورا ہو

حق درودیں تم پہ بھیجے
تم مُدام اس کو سراہو

وہ عطا دے، تم عطا لو
وہ وہی چاہے، جو چاہو

بر تو او پاشد، تو بر ما
تا ابد یہ سلسلہ ہو

کیوں رضا مشکل سے ڈریے
جب نبی ﷺ مشکل کشا ہو

○

کوئی کیا جانے کہ کیا ہو
عقلِ عالم سے ورا ہو

کنزِ مکتومِ ازل میں
درِ مکنونِ خدا ہو

سب سے اول، سب سے آخر
ابتدا ہو، انتہا ہو

تھے وسیلے سب نبی، تم
اصلِ مقصودِ ہدیٰ ہو

سب بشارت کی اذاں تھے
تم اذاں کا مدعا ہو

سب تمہاری ہی خبر تھے
تم مؤخر مبتدا ہو

قربِ حق کی منزلیں تھے
تم سفر کا منتہا ہو

سب تمہارے در کے رستے
ایک تم راہِ خدا ہو

سب تمہارے آگے شافع
تم حضورِ کبریا ہو

وہ کلس روضے کا چمکا

سر جھکاؤ کج کلاہو!
وہ در دولت پہ آئے
جھولیاں پھیلاؤ شاہو!

○

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی ﷺ

جن کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی ﷺ

خلق سے اولیا، اولیا سے رسل
اور رسولوں سے بالا ہمارا نبی ﷺ

حُسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیحِ دلآرا ہمارا نبی ﷺ

کیا خبر کتنے تارے کھلے، چھپ گئے
پر نہ ڈوبے، نہ ڈوبا ہمارا نبی ﷺ

ملکِ کونین میں انبیا تاجدار
تاجداروں کا آقا ہمارا نبی ﷺ

لامکاں تک اجالا ہے جس کا، وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی ﷺ

غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی ﷺ

○

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے، ہم کو ہنساتے جائیں گے

کُشتگانِ گرمیٔ محشر کو وہ جانِ مسیح
آپ دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب ﷺ کو
جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف
خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے

سوختہ جانوں پہ وہ پُرجوش رحمت آئے ہیں
آبِ کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائیں گے

آفتاب ان کا ہی چمکے گا، جب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے

پائے کوباں پل سے گزریں گے تری آواز پر
رَبِّ سَلِّمْ کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے

خاک ہوں جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے، ذکر ان کا سناتے جائیں گے

○

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے، چمکانے والے

برستا نہیں دیکھ کر ابرِ رحمت
بدوں پر بھی برسا دے، برسانے والے

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے، او جانے والے!

○

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے
بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے

جگمگا اٹھی مری گور کی خاک
تیرے قربان چمکنے والے

عرش تک پھیلی ہے تابِ عارض
کیا جھلکتے ہیں جھلکنے والے

گلِ طیبہ کی ثنا گاتے ہیں
نخلِ طوبیٰ پہ چہکنے والے

عاصیو، تھام لو دامن ان کا
وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے

○

کس کے جلوے کی جھلک ہے، یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

زاہد، ان کا میں گنہگار، وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے، تو سمجھا کیا ہے

بے بسی ہو جو مجھے پرسشِ اعمال کے وقت
دوستو، کیا کہوں، اس وقت تمنا کیا ہے

کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور ﷺ
ہاں، کوئی دیکھو، یہ کیا شور ہے، غوغا کیا ہے

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے، بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

سامنا قہر کا ہے، دفترِ اعمال ہیں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے

آپ ﷺ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل
بندہ بیکس ہے شہا، رحم میں وقفہ کیا ہے

سن کے یہ عرض مری، بحرِ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد، ٹھہرنا کیا ہے

کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آ کے ذرا دیکھیں، تماشا کیا ہے

ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور

اور تڑپ کر یہ کہوں، اب مجھے پروا کیا ہے

لو وہ آیا مرا حامی، مرا غم خوارِ امم ﷺ
آ گئی جاں تنِ بے جاں میں، یہ آنا کیا ہے

پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپا لیں سرور ﷺ
اور فرمائیں، ہٹو، اس پہ تقاضا کیا ہے

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشمِ بد دور ہو، کیا شان ہے، رتبہ کیا ہے

صدقے اس رحم کے، اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

اے رضا، جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

○

مژدہ باد اے عاصیو، شافع شہِ ابرار ﷺ ہے
تہنیت اے مجرمو، ذاتِ خدا غفار ہے

عرش سا فرشِ زمیں ہے، فرشِ پا عرشِ بریں
کیا نرالی طرز کی نام خدا رفتار ہے

چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدہ کریں
بارک اللہ، مرجعِ عالم یہی سرکار ہے

تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر
ایک جانِ بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

حیرتیں ہیں آئینہ دارِ وفورِ وصفِ گُل
ان کے بُلبُل کی خموشی بھی لبِ اظہار ہے
گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو، کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

○

اندھیری رات ہے غم کی، گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دلِ بیکس کا اس آفت میں آقا ﷺ، تو ہی والی ہے
گنہگاروں کو ہاتف سے نویدِ خوش مآلی ہے
مبارک ہو شفاعت کے لیے احمد ﷺ سا والی ہے
ترا قدِ مبارک گُلبُنِ رحمت کی ڈالی ہے
اسے بو کر تیرے رب نے بِنا رحمت کی ڈالی ہے
تمہاری شرم سے شانِ جلالِ حق ٹپکتی ہے
خمِ گردن ہلالِ آسمانِ ذُوالجلالی ہے
میں اک محتاجِ بے وقعت، گدا تیرے سگِ در کا
تری سرکار والا ہے، ترا دربار عالی ہے
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ جس کے بلبل ہیں
ترا سروِ سہی اُس گُلبُنِ خوبی کی ڈالی ہے

○

زمین و زماں تمہارے لیے، مکین و مکاں تمہارے لیے
چنین و چناں تمہارے لیے، بنے دو جہاں تمہارے لیے

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے ہیں یہاں تمہارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے
فرشتے خِدَم، رسولِ حشَم، تمامِ اُمَم، غلامِ کرم
وجود و عدم، حدوث و قِدم جہاں میں عیاں تمہارے لیے
تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین و فلک، سماک و سمک میں سکّہ نشاں تمہارے لیے
یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمہارے لیے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے، ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمہارے لیے

○

نبی ﷺ سرورِ ہر رسولؑ و ولیؒ ہے
نبیؐ رازدارِ مَعَ اللّٰہِ لِی ہے
ہے بے تاب جس کے لیے عرشِ اعظم
وہ اس رہروِ لامکاں کی گلی ہے
نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پر یہ عزّت ملی ہے
تلاطم ہے کشتی پہ طوفانِ غم کا
یہ کیسی ہوائے مخالف چلی ہے

نہ کیونکر کہوں یا حبیبی اغثنی
اسی نام سے ہر مصیبت ٹلی ہے

صبا ہے مجھے صرصرِ دشتِ طیبہ
اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے

جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو
نہ کچھ قصد کیجے، یہ قصدِ دلی ہے

ترے در کا درباں ہے جبریلِ اعظم
ترا مدح خواں ہر نبی و ولی ہے

شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی
سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے

○

نصیبِ دوستاں، گر ان کے در پر موت آتی ہے
خدا یونہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

اسی در پر تڑپتے ہیں، مچلتے ہیں، بلکتے ہیں
اٹھا جاتا نہیں، کیا خوب اپنی ناتوانی ہے

ترے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اس کی
زبانِ بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے

جہاں کی خاکروبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

شہا ﷺ کیا ذات تیری حق نما ہے فردِ امکاں میں

کہ تجھ سا کوئی اول ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

درودیں صورتِ ہالہ، محیطِ ماہِ طیبہ میں
برستا امتِ عاصی پہ رحمت کا پانی ہے

یہ سر ہو اور وہ خاکِ در، وہ خاکِ در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

○

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجیے
نار سے بچنے کی صورت کیجیے

ڈوب کر یادِ لبِ شاداب میں
آبِ کوثر کی سباحت کیجیے

ان کے در پر بیٹھیے بن کر فقیر
بے نواؤ، فکرِ ثروت کیجیے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجیے

سر سے گرتا ہے ابھی بارِ گناہ
خم ذرا فرقِ ارادت کیجیے

عالمِ علمِ دو عالم ہیں حضور ﷺ
آپ سے کیا عرضِ حاجت کیجیے

اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے
چارۂ زہرِ مصیبت کیجیے

آپ ﷺ ہم سے بڑھ کے ہم پر مہرباں
ہم کریں جرم، آپ رحمت کیجیے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا
یاد اس کی، اپنی عادت کیجیے

○

ذرّے جھڑ کر تیری پیزاروں کے
تاجِ سر بنتے ہیں سیاروں کے
میرے آقا ﷺ کا وہ در ہے جس پر
ماتھے گھس جاتے ہیں سرداروں کے
مجرمو، چشمِ تبسّم رکھو
پھول بن جاتے ہیں انگاروں کے

○

ان پر درود جن کو حجر تک کریں سلام
ان پر سلام جن کو تحیّت شجر کی ہے
ان پر درود جن کو کسِ بیکساں کہیں
ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے
شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السّلام
خوبی انھی کی جوت سے شمس و قمر کی ہے
عرش و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام
ملجا یہ بارگاہ دعا و اثر کی ہے

شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السّلام
راحت انھی کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے
خستہ جگر سلام کو حاضر ہیں السّلام
مرہم یہیں کی خاک تو خستہ جگر کی ہے
سب کرّوفر سلام کو حاضر ہیں السّلام
ٹوپی یہیں تو خاک پہ ہر کرّوفر کی ہے
اہلِ نظر سلام کو حاضر ہیں السّلام
یہ گرد ہی تو سُرمہ سب اہلِ نظر کی ہے

○

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی، ہوا یہ کدھر کی ہے
کھُبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے
چُبھتی ہوئی جگر میں صدا کس گجر کی ہے
ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے
سونپا خدا کو تجھ کو، یہ عظمت سفر کی ہے
ہم گردِ کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے، یہ ارادت کدھر کی ہے
واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جانِ نو
یہ راہ جانفزا مرے مولا ﷺ کے در کی ہے
ہیں چتر و تخت سایہ دیوار و خاکِ در

شاہوں کو کب نصیب یہ دھج کروفر کی ہے
اپنا شرف دعا سے ہے، باقی رہا قبول
یہ جانیں، ان کے ہاتھ میں کنجی اثر کی ہے

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہگزر کی ہے

گھیرا اندھیریوں نے، دہائی ہے چاند کی
تنہا ہوں، کالی رات ہے، منزل خطر کی ہے

سنکی وہ دیکھ بادِ شفاعت کہ دے ہوا
یہ آبرو رضا ترے دامانِ تر کی ہے

○

مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم، تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

فتح بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے بے کس کی دولت پہ لاکھوں درود
مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا ﷺ پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی، دم میں دم آ گیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول
اس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام

جس کے ہر خط میں موجِ کرم نور کی
اس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود
اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام

الغرض ان کے ہر مُو پہ لاکھوں درود
ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

ماخذ

○۱- اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں رضاؔ کے نعتیہ کلام کا تحقیقی اور ادبی جائزہ --- حضرت شمس بریلوی

○۲- امامِ نعت گویاں ----- اخترؔ الحامدی

○۳- انوارِ رضا ----- ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

○۴- شب جائے کہ من بودم ----- آغا شورش کاشمیری

○۵- جہانِ رضا ----- مرید احمد چشتی

○۶- اردو میں نعتیہ شاعری ----- ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

○۷- اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ ----- جلد نمبر ۱۰

○۸- اقبالؔ و احمد رضاؔ: مدحت گرانِ پیغمبر ﷺ ... ----- راجا رشید محمود

○۹- اسلامی انسائیکلوپیڈیا ----- سیّد قاسم محمود

گوشۂ میلاد

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھا ہر منظر، ہر نقش دو عالم
اجڑا اجڑا، پھیکا پھیکا، ہلکا ہلکا، مدھم مدھم
حُسن کا چہرہ اُترا اُترا، عشق کی رنگت بدلی بدلی
دہر کا نقشہ بگڑا بگڑا، زیست کا مقصد مبہم مبہم
آنکھ کی پُتلی سہمی سہمی، دل کی دھڑکن ٹھہری ٹھہری
شوق کا دریا سمٹا سمٹا، جوشِ جنوں کے طوفاں کم کم
چاند کی کرنیں میلی میلی، صبح کے جلوے دھندلے دھندلے
کوچۂ ہستی سُونا سُونا، محفلِ فطرت برہم برہم
دنیا کی دنیا آزردہ، ہر شے افسردہ، پژمردہ
تارا تارا، ذرّہ ذرّہ، موتی موتی، شبنم شبنم
اتنے میں مشرق کے افق سے مہرِ رسالت کی ضو ابھری
خنداں خنداں، روشن روشن، افزوں افزوں، محکم محکم
چاک ہُوا باطل کا پردہ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا
نورِ ہدایت، آیۂ رحمت، صلی اللہ علیہ وسلم
آپ ﷺ نے تشریف ارزانی سے دنیا پر احسان کیا ہے
آپ خدا کے خاص پیمبر، آپ جہاں کے محسنِ اعظم ﷺ

عاصی کرنالی

نعت

آ گیا مقصودِ امکاں، فخرِ انساں آ گیا
مرحبا صد مرحبا، عالم کا سلطاں ﷺ آ گیا

آ گیا نازِ بہاراں، سروِ بُستاں آ گیا
حبذا، صلِّ علیٰ، بے مثل جاناں آ گیا

چہچہاتی بلبلیں ہیں، جگمگاتے پھول ہیں
باغِ عالم میں عجب جشنِ بہاراں آ گیا

عید کی خوشیاں عیاں ہیں اور جہاں مسرور ہے
جانِ جاناں، روحِ امکاں، نورِ یزداں آ گیا

جس کے چرچے حضرتِ آدمؑ سے تا عیسیٰؑ رہے
آج وہ مطلوبِ کُل، ماہِ فروزاں آ گیا

تذکرہ جس کا رہا تورات میں، انجیل میں
لو وہ ذیشاں لے کے اپنے ساتھ قرآں آ گیا

جس پہ شیدا ہر نبیؑ، دلدادہ جس کا ہر ولیؒ
آ گیا وہ افتخارِ نوعِ انساں ﷺ آ گیا

جس مجسم نُور پر حسنِ ازل کو ناز ہے
آج دنیا میں وہی سرخیلِ خوباں آ گیا

جس کی خاطر عرشِ اعظم مدتوں سے منتظر
ہم غریبوں میں وہی محبوبِ سُبحاں ﷺ آ گیا

فیض سے جس کے چمک اٹھّے ہدایت کے نجوم
محفلِ دنیا میں وہ خورشیدِ تاباں آ گیا

بن گئے سب کام حافظؔ! مشکلیں حل ہو گئیں
جب زباں پر نامِ سرکارِ رسولاں ﷺ آ گیا

حافظؔ چشتی تونسوی (بسال شریف)

نعت

زباں پر نامِ پاکِ خسروِ دنیا و دیں آیا
کہو صلِّ علیٰ مذکورِ ختمُ المرسلیں ﷺ آیا

عوض دادِ سُخن کے وِرد ہو صلوات کا ہدیہ
تو میں سمجھوں، تمہیں اس کے فضائل کا یقیں آیا

ازل میں حق نے سونپی تھی امانت دین کی جس کو
بنی ہاشم کے گھر میں اس امانت کا امیں آیا

فرشتوں نے مبارکباد کا ہدیہ دیا اس کو
جب آغوشِ حلیمہؓ میں خدیوِ مسلمیں آیا

خدا سے التجا جو ہو، اسی کے واسطے سے ہو
دعاؤں کا سہارا، آرزوؤں کا مُعیں آیا

درود اس پر ہو جس پر وہ صحیفہ ہو گیا نازل
جو لے کر نقشِ اَتْمَمْتُ لَکُمْ دِیْنَ مبیں آیا

خدا مخلوق سے اقرب، مگر جُز سرورِ عالم ﷺ
کوئی مخلوق عالم سے بھی خالق کے قریں آیا؟

تمنا ہے کہ ہو اس سر زمین پر مدفنِ سائلؔ
جہاں پیغام دعوت کا لیے رُوح الامیںؑ آیا

سراج الدین سائلؔ دہلوی

نعت

جہاں سے کفر کی ظلمت مٹانے کے لیے آئے
دلوں میں شمعِ ایمانی جلانے کے لیے آئے

نبیؐ آئے ہزاروں، اور گئے درسِ وفا دے کر
سلام ان ﷺ پر جو آئے اور آنے کے لیے آئے

فضائیں نغمۂ توحید سے معمور کر ڈالیں
بہاریں گلشنِ ہستی میں لانے کے لیے آئے

رہ و رسمِ وفا کو اہلِ دنیا چھوڑ بیٹھے تھے
انھیں راہِ محبت پھر دکھانے کے لیے آئے

گھری تھی کشتیٔ انسانیت موج و تلاطم میں
وہ بن کر ناخدا کشتی بچانے کے لیے آئے

سلام ان ﷺ پر کرم تھا عام جن کا دوست دشمن پر
درود ان ﷺ پر جو سوتوں کو جگانے کے لیے آئے

انھی ﷺ کا نام لے کر صبح کو کلیاں چٹکتی ہیں
وہ کانٹوں میں رہے اور گُل کھلانے کے لیے آئے

یہ خستہ حال کیفی بھی اُنھی کا نام لیوا ہے
گنہگاروں کو جو اپنا بنانے کے لیے آئے

محمد زکی کیفی

نعت

گلستانِ عرب میں عام ہے جلووں کی تابانی
تعالی اللہ، یہ رنگیں سماں، یہ بزمِ نورانی

ہوا میں نغمۂ صلِ علیٰ کا شور ہے ہر سو
فضا میں نقرئی کرنیں ہیں سرگرمِ غزل خوانی

کہیں فرطِ طرب میں آبِ زمزم سے وضو کر کے
حجر محوِ تلاوت ہیں، شجر مستِ ثنا خوانی

عجب اک کیف سا طاری ہے قلبِ حور و غلماں پر
ملائک وجد میں ہیں، رقص میں ہے، نوعِ انسانی

وہ رحمت کی کرن پھوٹی، وہ برسا نورِ حقانی
وہ ابھرا مطلعِ فاراں سے روشن مہرِ یزدانی

گرے طاقوں سے بُت، ایوانِ کسریٰ تھر تھرا اٹھا
جہاں سے اٹھ گئی برخود غلط ہر رسمِ شیطانی

جنابِ ابنِ مریمؑ کی بشارت ہو گئی پوری
خلیلؑ باصفا کی رنگ لائی آج قربانی

مبارک! پرچمِ انسانیت عالم پہ لہرایا
بشر کے روپ میں ظاہر ہوا وہ ظلِ سبحانی

وہ جس کی زندگی سے ہے عبارت زندگی اپنی
وہ جس نے ہر گدائے در کو بخشا تاجِ سلطانی

رضوان بریلوی

نعت

سحر کا وقت ہے، معصوم کلیاں مسکراتی ہیں
ہوائیں خیر مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں

مئے عشرت چھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے
ابلتی ہے شرابِ خلد مٹی کے سکوروں سے

کبھی جاتی ہے آنکھوں میں گل و لالہ کی رعنائی
کہ جیسے در حقیقت خاک پر جنّت اتر آئی

خوشی کے گیت گائے جا رہے ہیں آسمانوں پر
درودوں کے ترانے ہیں فرشتوں کی زبانوں پر

طرب کے جوش سے ایک ایک ذرّہ مسکراتا ہے
زمیں کی آج قسمت پر فلک کو رشک آتا ہے

ستاروں کے کنول جلوہ فگن رنگین و سادہ ہیں
فرشتے بہرِ استقبال ہر سُو ایستادہ ہیں

برستے ہیں گہر انوار کے میزابِ رحمت سے
کبوتر رقص میں ہیں بامِ کعبہ پر مسرّت سے

ابھی جبریلؑ اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہؓ کے گھر سے

مبارک ہو، شہِ ہر دوسرا ﷺ تشریف لے آئے
مبارک ہو، محمد ﷺ مصطفٰی تشریف لے آئے

ماہرؔ القادری

نعت

صحیفوں میں تھی جس کی پیشگوئی، وہ نبی ﷺ آیا
پیامِ حق سنانے خاتمِ پیغمبری ﷺ آیا

درخشاں تھی اسی کے نور سے آدمؑ کی پیشانی
اسی کے نور سے روشن تھا حسنِ ماہِ کنعانی

اسی کے شوق سے چشمِ کلیمُ اللہؑ روشن تھی
اسی کا ایک معمولی سا پرتو برقِ ایمن تھی

دلِ عیسیٰؑ میں اس کی آرزوئیں التجائیں تھیں
نظر کو حسرتِ دیدار تھی، لب پر دعائیں تھیں

جبیں ایسی کہ جس کو لوحِ عرشِ کبریا کہیئے
ضیائے رُخ، جسے ٹوٹے دلوں کا آسرا کہیئے

نگاہیں وہ کہ جن سے دیدۂ مریمؑ حیا سیکھے
اثر ایسا کہ حسنِ بے وفا رسمِ وفا سیکھے

تجلّی وہ کہ تابانی سکھائے چاند تاروں کو
تحمّل وہ کہ تعلیمِ سکوں دے برق پاروں کو

جلال ایسا کہ جس سے قیصر و فغفور جھک جائیں
فلک کی نبض ڈوبے، زلزلوں کے قلب رک جائیں

وہ طرزِ گفتگو، ہر بات سے اک بات پیدا ہے
فصاحت جس کی باندی ہے، بلاغت جس کی شیدا ہے

زباں وہ جس پہ آ کر قسمتِ تقریر کھل جائے
خدا نے دی ہے جو الفاظ کو تاثیر کھل جائے

احسان دانشؔ

نعت

راستے صاف بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں
لوگ محفل کو سجاتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں

کہکشاں، راہ گزر، چاند، ستارے، ذرے
سب چمک کر یہ دکھاتے ہیں آپ ﷺ آتے ہیں

اپنے شہکار پہ خلاقِ دو عالم کو ہے ناز
انبیاءؑ جھومتے جاتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں

اہلِ ایماں کے لبوں پر ہے درود اور سلام
یومِ میلاد مناتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں

ان کی آمد کے پیامی ہیں صبا کے جھونکے
پھول شاخوں کو ہلاتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں

بول بالا ہوا حق کا تو بُتانِ باطل
خانۂ کعبہ سے جاتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں

مرحبا صَلِّ عَلیٰ کی ہیں صدائیں لب پر
لوگ صدقے ہُوئے جاتے ہیں کہ آپ ﷺ ہیں

ان کے جلووں سے نکھرنے لگی دل کی رونق
میری تقدیر جگاتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں

چاند تاروں میں نصیرؔ آج بڑی ہلچل ہے
ہمیں آثار بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ آتے ہیں

نصیرالدین نصیرؔ گولڑوی

نعت

آ گیا آج وہی یومِ سعید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول
ہر مسلماں کے لئے ایک نوید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول

آج کی شب ہے عبادت کے لئے، کیوں نہ مانگوں میں دعا ان کی زیارت کے لئے
اس کی برکت سے مجھے ان کی ہو دید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول

سانس جب تک مرا سینے میں رہے، دھیان بھٹکے نہ مرا صرف مدینے میں رہے
اس کی نسبت سے طلب ہے یہ شدید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول

آج کی رات دعاؤں میں کٹے، آج کا دن تو مدینے کی فضاؤں میں کٹے
آج تو مجھ کو وہ رکھیں نہ بعید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول

کاش تبدیل ہوں حالات مرے، یعنی گمراہ پراگندہ خیالات مرے
آج کے دن سے ہے وابستہ امید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول

مدعی ہوں کہ دعائیں ہوں قبول، میرے دامن میں جو انگارے ہیں بن جائیں وہ پھول
آج کی شب ہے دعاؤں کی کلید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول

نالۂ نیم شبی میرا سنیں، حال جو دل کا ہے وہ پیارے نبی ﷺ میرا سنیں
کیا نسیمؔ آج تمنّا ہو مزید، عیدِ میلادِ نبی ﷺ بارہ ربیع الاول

نسیم سحر (جدّہ)

نعت

ظلمت سرائے شب میں سحر آپ ﷺ لائے ہیں
دنیا میں حسنِ فکر و نظر آپ ﷺ لائے ہیں

معروضۂ سحر کی پذیرائی آپ ﷺ ہیں
میری دعائے شب میں اثر آپ ﷺ لائے ہیں

میں پیکرِ نیاز، خدا بے نیاز ہے
میری دعاؤں میں یہ اثر آپ ﷺ لائے ہیں

سارے نبیؑ بشر ہیں، بشر ہم بھی ہیں مگر
معیارِ انتہائے بشر آپ ﷺ لائے ہیں

توقیرِ کبریا تو مسلّم ازل سے تھی
توقیرِ بندگی کی خبر آپ ﷺ لائے ہیں

سوچو تو زندگی کی عطا رِمُبج "کُن" سے ہے
دیکھو تو اس شجر میں ثمر آپ لائے ہیں

مُردوں کو زندگی بھی ملی ہے یہاں ضرور
لیکن علاجِ دیدۂ تر آپ ﷺ لائے ہیں

سیّد سلیم گیلانی

نعت

مژدہ اے امت کہ ختم المرسلیں ﷺ پیدا ہوئے
انتخابِ صنعِ عالم آفریں پیدا ہوئے

نور جن کا قبلِ خلقت تھا، ہُوا ان کا ظہور
رحمت آئی، رحمتہٌ للعالمیں ﷺ پیدا ہوئے

اب زمین و آسماں میں ہو گی رونق دین کی
باعثِ ایجادِ افلاک و زمیں پیدا ہوئے

اب گنہگارانِ امت کی ہوئی شکلِ نجات
دافعِ عصیاں، شفیع المذنبیں ﷺ پیدا ہوئے

پیشوائے انبیاءؑ و مقتدائے اولیاءؒ
رہنمائے اوّلین و آخریں پیدا ہوئے

رائجِ حکمِ شریعت، دافعِ آئینِ کفر
قبلۂ ایماں، رئیس المسلمیں ﷺ پیدا ہوئے

چاہئے تعظیم کو اٹھیں جو ہیں محفل نشیں
نائب خاص خدائے ما و طیں پیدا ہوئے

ہالہ آسا کیوں ہمارا دل نہ قرباں ہو امیرؔ
ہیں جو محبوبِ خدا وہ مہ جبیں ﷺ پیدا ہوئے

امیر مینائی

نعت

پردۂ راز میں توحید کا ہمراز آیا
بن کے سب نبیوںؑ میں وہ بہتر و ممتاز آیا

ان سے پھر دنیا میں تہذیب کا آغاز ہوا
یعنی مخلوق میں اخلاق کا انداز آیا

جبکہ وحدت نے یہ چاہا کہ ہو کثرت کا ظہور
پردۂ میم میں چھپ کر وہ جہاں ساز آیا

جن کے پر تھے، نہ گئے سدرہ سے آگے، لیکن
پر نہ ہونے پہ کمال کر کے وہ پرواز آیا

طُور پہ پائے کلیمؑ آئے بصد عجز و نیاز
عرشِ اعظم پہ قدم اُن کا بصد ناز آیا

انبیاءؑ کیوں نہ ہوں ممنونِ کرم اس کے رحیم
کرتا تقسیم وہ سب نبیوںؑ میں اعجاز آیا

رحیم امرتسری

حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی توہین کرنے والے، شیطان جن کا معاون ہے

ایک معروف عالمِ دین اور اچھے شاعر نے اپنے مکتوب مرقومہ ۴ جون ۱۹۹۷ میں لکھا ہے:

"ایک عرصے سے آپ کے قلم سے کفر شکن مضمون نظر نواز ہوتا رہا اور فریق گستاخ کی داستان پڑھتا رہا۔ مگر بندہ اس غلط فہمی میں رہا کہ اصل غلطی شاید کاتب کی ہے کہ ف پر ایک کے بجائے دو نقطے لگا دیئے۔ اگرچہ تب بھی اور اب بھی میرا ایمان ہے کہ کاتب کی غلطی پر بھی فوری تصحیح اور توبہ نامہ کا سامنے آنا اشد ضروری تھا۔ لیکن اب کُھلا کہ یہ کاتب کی غلطی نہ تھی بلکہ نظم لکھنے والے کی صریح جہالت تھی۔ اب پتا چلا کہ شفا کا لفظ تو خود موجود ہے۔ یہ لفاظی کی بھوک اور ناظم کی صریح جہالت جسے بعد میں لفظِ "صفا" سے (سچی توبہ کے بجائے) بدلنے کی کوشش کی گئی جو کہ "عذرِ کُفر بد تر از کفر" والی بات ہے۔ افسوس صد افسوس کہ اس دنیا داری اور جھوٹی دکانداری میں رِضویت کے بعض نام نہاد ٹھیکیدار اور وظیفہ خوار بھی اس ذلیل گستاخی کے طرفدار بن بیٹھے۔

اب بعض احباب کا یہ مشورہ ہے کہ آپ اپنا فرض ادا کر چکے، کوئی مانے یا نہ مانے، اپنی عاقبت کو پہنچے گا، اور اب آپ پر مزید کچھ لکھنا واجب نہیں آتا، ـــــ

بندہ اس خیال پر تبصرے سے تو عاجز ہے، البتہ ایک ضروری مشورہ عرض کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ کہ ان گستاخوں کے تابوت میں آخری کیل گاڑنے کے لئے آپ ایک استفتا تیار کر کے ملک کے طول و عرض میں بڑے بڑے مدارس کے ڈیڑھ دو درجن مفتیانِ کرام کو ضرور بھیج دیں۔ اس میں صرف مسئلے کی اصل نوعیت کہ پہلے جہالت سے شانِ اقدس میں یہ ذلیل لفظ لکھا۔ پھر تنبیہ اور بار بار یاد دہانیوں پر گالی گلوچ اور

بد زبانی پر اتر آیا اور کچھ اپنے حلقہ نشینوں کو بھی اپنا ہم نوا بنایا‘۔ ان لوگوں کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ آپ نام کسی کا نہ لکھیں (کہ اس دور میں رکھ رکھاؤ میں بعض بڑے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں) پھر جو جواب یا کئی جواب آئیں‘ ان کو مِن و عَن رسالۂ مبارک میں چھاپ دیں۔ یوں چور کو گھر تک پہنچانے کا کام بخوبی سرانجام ہو گا۔

ہاں! آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ بواپسی مجھے فرمائیں کہ یہ کام تم کیوں نہیں کرتے۔ بخدا‘ مجھے نہ تو اس کارِ خیر کو سرانجام دینے میں کوئی تأمل ہے‘ نہ کسی قسم کی ہچکچاہٹ۔ لیکن جو وزن آپ کی زبان و قلم کا ہے‘ وہ اس ناچیز کے پاس کہاں۔ پھر یہ کہ آخر کار ان فتاویٰ کو شائع بھی تو آپ ہی نے کرنا ہے۔ لہٰذا آپ یہ آخری سعادت بھی حاصل کر ہی لیں۔

کل ایک عریضہ لکھا۔ وہ بہت طویل ہو گیا تھا۔ اس کا ایک پیرا مختصر کر کے عرض کرتا ہوں کہ ان بدبختوں سے راجا صاحب نے یہ تو مطالبہ نہیں کیا کہ آؤ‘ مجھ سے معافی مانگو۔ بلکہ سیدھی شرعی بات کی کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ اعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سچی توبہ کرو۔ حالانکہ اگر راجا صاحب یہ مطالبہ بھی کرتے کہ نہ صرف مجھ سے بلکہ تمام اہلِ اسلام سے بھی معافی مانگو‘ تو راجا صاحب حق بجانب تھے کہ ظلمت فروشوں نے تمام اہلِ اسلام کے دل بھی دُکھائے۔ جیسے تمہارے ماں باپ کو گالی دی جائے تو ان دونوں کے علاوہ تمہارے دل بھی تڑپ جاتے ہیں۔ تو رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کہ جن کے نعلینِ پاک کی دُھول پر اہلِ اسلام کے ماں باپ کی عزت و ناموس نچھاور کی جا سکتی ہے‘ ان کی توہین سے تم اہلِ ایمان کی بھی توہین کے مرتکب نہیں ہُوئے؟ ضرور ہُوئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس والہانہ محبت کا صلہ ضرور عطا فرما چکا‘ مجھ ایسے عاصیوں کی دعاؤں سے پیشتر آپ کے لیے جزائے

احسن عند اللہ تعالیٰ ثبت ہو چکی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید بلند ہمّتیوں سے نوازے اور باطل کی سرکوبی (اور رکھ رکھاؤ) کے حال کے تار و پود بکھیرنے کی جرأتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین!!“

حضرت! اللہ کریم جل شانہ العظیم اپنے محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے طفیل آپ کو اور دوسرے اہلِ محبت کو جزائے خیر دے جنھوں نے مجھے دعاؤں سے نوازا‘ اور مجھے حضورِ اکرم ﷺ کی توہین کے مرتکبین کے خلاف زندگی بھر نبرد آزما رکھے۔ آمین!

جہاں تک آپ کی تجویز کا تعلّق ہے‘ اس کے مؤثر ہونے کے بارے میں خود آپ کو یقین نہیں‘ اسی لیے آپ نے کسی کا نام نہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ نام پڑھ کر کچھ مفتی حضورِ اکرم ﷺ کی توہین کو مناسب اور توہینِ رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتکبین کے خلاف فتویٰ دینے کو نامناسب سمجھ سکتے ہیں۔ تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

آپ کا یہ شُبہہ یوں بھی کچھ غلط معلوم نہیں ہوتا کہ ”خاموش تماشائی“ نے بھی اپنے ۴ جون ۱۹۹۷ کے مرقومہ خط میں ہمیں لکھا ہے:

”گزشتہ شمارہ میں ”القول السدید“ لاہور کے اداریہ پر پیرزادہ اور بشیر حسین ناظم پر گستاخی کی بحث غالباً“ ختم ہو گئی ہے۔ آپ نے اتمامِ حجت کر دیا‘ یہی میرا بھی مقصد تھا۔ ”نعت“ نے مجھے ایک ”خاموش تماشائی“ کے عنوان سے رگڑا دے دیا۔ ویسے ”ہُوا یہ کہ“ شمارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبل از اسلام کے واقعہ کو دیکھ کر مقامی عالمِ دین شیخ الحدیث نے ایڈیٹر نعت کو شیعہ قرار دے دیا تھا۔ راقم نے بہت سمجھایا‘ مگر وہ بضد تھے۔ اس مضمون میں ”عمر“ کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ کے الفاظ قصداً“ درج نہ تھے‘ سوا آخری ایک بار نام کے۔ اسے کیا کہیے؟“

”خاموش تماشائی“ نے تو یہ بات مجھے دھمکانے کے لیے لکھ بھیجی ہے کہ ڈرو

اُس وقت سے، جب تمہیں توہینِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کرنے والے بدبختوں کے خلاف لکھنے کے جرم میں "شیعہ" قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن میں اس جاہل عالمِ دین شیخ الحدیث کو کیا کہوں جس کو اتنا بھی پتا نہیں کہ جب تک کوئی شخص دشمنِ رسول (ﷺ) ہو، صحابی نہیں ہوتا۔ جب وہ ایمان کی آنکھوں سے محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کو دیکھتا ہے تو صحابی کر مرتبے پر فائز ہوتا ہے اور "رضی اللہ عنہ" کہلاتا ہے۔

لیکن یہ کسے معلوم نہیں کہ اس جاہل شیخ الحدیث کو اس لیے تکلیف نہیں ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ایک سے زیادہ بار "رضی اللہ عنہ" کیوں نہیں لکھا گیا' تکلیف یہ ہے کہ حضور ﷺ کی توہین کرنے والے بدبختوں کے خلاف کیوں لکھا گیا ہے۔ اگر کسی ایسے "عالمِ دین شیخ الحدیث" کا واقعی وجود ہے جو توہین کرنے والوں کے خلاف لکھنے والوں کو "شیعہ" قرار دینے کے لیے مَرا جا رہا ہے تو اس پر ہزار بار لعنت۔

لیکن میں کہتا ہوں، ظالمو! مجھے جو کچھ مرضی ہے، کہہ لو، میرے آقا حضور ﷺ کی توہین سے باز آ جاؤ۔ ایسا کرو گے تو تمہارا ہی بھلا ہے۔ ڈٹے رہو گے تو دنیا و آخرت میں خُسرانِ عظیم سے دوچار ہو گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مقالۂ خصوصی

تحریر: رفیق احمد باجوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الملک

جذبۂ اتحادِ ملّت، سیاستِ اسلام کی روح ہے۔ احکامِ قرآن کی رُو سے اُمّتِ مسلمہ میں فرقہ بندی، گروہ سازی یا پارٹی بازی، وہ سیاسی ہو یا مسلکی، ممنوع ہے۔ مگر آئینِ پاکستان میں فرقہ بندی کو تحفّظ حاصل ہے اور پارٹی بازی کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کے بغیر پاکستانی آئینی سیاسی نظام نہ قائم کیا جا سکتا ہے، نہ استوار۔ دینِ اسلام میں اللہ اور رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کے باوجود اس کلیہ کو تسلیم کیا گیا ہے کہ شرع کو شرح کے دوران ان مسلمان افراد میں جن کو امور پر دسترس حاصل ہو، اختلافِ رائے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ لیکن واضح حکم ہے کہ اگر کبھی ایسا ہو تو لازم ہے کہ اس اختلافِ رائے کو دور کر کے یک رائے ہو جانے کے لیے متنازع معاملات و افکار کو اللہ اور رسولُ اللہ ﷺ کی طرف لوٹا لیا جائے، مذکورہ متنازع معاملات و افکار سے متعلق احکامِ الٰہی اور احکامِ رسول ﷺ کی تلاش کی جائے اور متعلقہ احکام کے معلوم ہو جانے پر یک رائے ہو کر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پر کاربند رہا جائے۔

دینِ اسلام اور مغربی جمہوریت کے فکری اور عملی نظام میں یہ بنیادی فرق ہے کہ مغربی جمہوریت کا نظام بنیادی طور پر Agree to Differ کا نظام ہے اور آئینِ اسلام کا تقاضا ہے کہ ہر فکر و عمل کو Differ to Agree کے کلیہ کے تحت رکھا جائے۔ مغربی جمہوری نظام کو حق کو مخفی رکھنے اور باطل کو باطل سے نبرد آزما رکھنے کی عادت ہے۔ دینِ اسلام میں اس حقیقت پر ایمان رکھنا لازم ہے کہ حق کی آمد

پر باطل کا مٹ جانا لازم ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں بھی حق کی شرع کی شرح باطل ہونے لگے تو حق کی تلاش کرو، اسے نافذ کرو تاکہ باطل از خود مٹ جائے۔

دینِ اسلام میں دانشِ انسان کو دانشِ الٰہی کے تابع رکھا گیا ہے، جب کہ مغربی جمہوریت دانشِ انسان کو بے لگام ہونے تک آزاد قرار دیتی ہے۔ دینِ اسلام کا نظام آفاقی ہے اور مغربی جمہوریت کا اوقاتی و مصلحتی۔

ان دنوں پاکستان میں مسلکی فرقہ واریت نے تشدّد کی راہیں اختیار کر رکھی ہیں۔ دلیل کے بجائے نامراد کلاشنکوف سے کام لیا جا رہا ہے۔ فرقہ واریت اور دہشت گردی ایک گھمبیر مسئلہ کی صورت اختیار کر گئی ہے اور ہماری سیاسی حکومتی دانش اس بنیادی اصول سے بھی غیر آگاہ معلوم ہوتی ہے کہ جب تک مرض کی تشخیص نہ ہو، اس کا علاج ممکن نہیں ہوتا۔ ایک سیاست دان اور عام انسان میں وہی فرق ہوتا ہے جو ایک مریض اور ڈاکٹر میں ہے۔ مریض بیانی ہوتا ہے کہ اسے بخار ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے، تمہارا گلا خراب ہے اور یہ اس کا علاج ہے۔ مریض کہتا ہے، میرے سر میں درد ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے، تمہارے پیٹ میں خرابی ہے، یہ دوائی پی لو، ٹھیک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ جب تک اس امر کی تشخیص نہ ہو کہ فرقہ واریت کیوں پیدا ہوئی، کس طرح پروان چڑھی، اس کا علاج ممکن نہیں۔ وہ دور نہیں کرو گے تو جواز و اثرات قائم رہیں گے۔

فرقہ واریت کی بنیادی وجہ شرع کی شرح میں اختلافات کا واقع ہو جانا ہے۔ آج بھی روزانہ عدالتوں میں انسان ساختہ آئین کے ضمنات اور قانون کی دفعات پر اختلافی شرح بیان ہوتی ہے اور صدہا سال سے ہوتی چلی آئی ہے۔ فریقین کے وکلا اپنے موکلوں کے مفاد کے پیشِ نظر متعلقہ قانون کی شرح بڑے زوردار اور دانشمندانہ اُسلوب سے کرتے ہیں۔ اپنا تمام تر تجربہ، مہارت اور دانش مصرف میں لاتے ہیں مگر بحث سے فارغ ہو کر بار روم میں بیٹھ کر اکٹھے چائے پی رہے ہوتے ہیں اور مزید

عالمانہ و دوستانہ گفتگو میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وکلا فرقوں میں کیوں تقسیم نہیں ہوتے اور علمائے دین کیوں کلاشنکوفیں اٹھائے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کو خارج از اسلام اور کافر تک کیوں کہہ دیتے ہیں؟ وجہ قوانین و آئین اسلام سے ناآشنائی ہے یا یہ رائج الوقت آئین کی کارفرمائی ہے۔

دانشورانِ سیاست! ایسا اس لئے ہے کہ وکلا کی شرح میں اختلافِ رائے کا فیصلہ کرنے والی عدالت موجود ہے۔ تیسرے درجہ کے مجسٹریٹ سے لے کر عدالتِ عظمیٰ تک، اور آئین کا تقاضا ہے کہ عدالتِ عالیہ کا فیصلہ جملہ ماتحت عدالتوں کا راہ نما ہوتا ہے، اور عدالتِ عظمیٰ کا فیصلہ یا کسی قانون کی تشریح جملہ عدالتوں کے لئے قانون کا درجہ رکھتی ہے۔ جب کہ علما اپنے شرحی افکار اپنے اپنے مکتب میں بیٹھ کر بیان یا تحریر کرتے ہیں اور کوئی عدالت ایسی موجود نہیں جو ایسا فیصلہ صادر کرے، جو ان سب پر نافذ ہونے کی اہلیت و اختیار کا حامل ہو۔

چنانچہ فرقہ واریت یا مسلکی اختلافات ختم کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ان اختلافات کو آئینی تحفظ دے کر تمام شرحی اختلافات پیدا کرنے والوں یا رکھنے والوں کو خوش رکھا جائے۔ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ اگر پاکستان واقعی اسلامی ریاست ہے تو قرآن و سُنّت کو یعنی شرع کو آئینی و عدالتی طور پر نافذ کیا جائے تاکہ عدالتیں مختلف شرحوں کی روشنی میں اپنا فیصلہ صادر کریں جو سب کے لیے شرع کا درجہ رکھے۔ قدغن یہ ہو کہ فیصلہ کرتے وقت اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا جائے اور ان کے احکام کا پابند ہو کر فیصلہ صادر کیا جائے۔

کس کو انکار ہو گا کہ مسلک اور فرقے زمانۂ ملوکیت کی عجمی عطا ہیں، اور ان کے پس پردہ وقتی رویّے اور مصلحتیں کارفرما ہیں۔ فرقہ بندی اس لیے استوار ہو گی کہ آفاقی شرع پر وقتی شرح کو مسلط کر دیا گیا۔ یہ ان دنوں کی دین ہے، جب اسلام ایک دین اور آئین کی حیثیت میں نافذ نہ رہا، فقط ایک مذہب کے طور تسلیم رہ گیا۔ لوگ

"رضی اللہ تعالیٰ عنہ" نہ رہے، ملوک کی رضا کی تابع ہو گئے۔ اور شرح سیاسی اغراض اور حوائج کے تابع ہو گئی۔ لاریب آیاتِ قرآن کو یوں شرح کا محتاج بنا دیا گیا کہ جس نے تفسیر لکھی، اس نے ایک نئے فرقہ کو بھی جنم دے دیا۔

واقعۂ کربلا اپنی اصل میں اسلام کے آئین کی واضح خلاف ورزی پر نواسۂ رسول ﷺ کے احتجاج کا مظہر ہے۔ اس واقعہ سے لے کر تحریکِ پاکستان کے اجرا تک اچھے یا بُرے مسلمان بادشاہ تو حکمران رہے مگر آئینِ اسلام کے مکمل نفاذ کے لئے نہ کوئی تقاضا ہوا، نہ کوئی پیش رفت ہوئی۔ "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ" سے مراد یہ تھی کہ ہم اللہ کے سوا کسی اِلٰہ کے احکام کے پابند نہیں۔ ہمارا اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ فرقہ بندی کا ممنوع ہونا آئینِ اسلام کا لازم ضمن ہے اور فرقہ واریت کا واحد علاج آئینِ اسلام کا نفاذ ہے، کہ آئینِ اسلام کا نفاذ ہو تو قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل رہ جاتا ہے۔

قانون حاکمِ وقت کی مرضی کے نفاذ و اطلاق کا دوسرا نام ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کا ساختہ قانون نافذ ہو تو اللہ کی حاکمیت کے قیام کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ اور رعایا قانون نہیں، حاکمِ وقت کی مرضی کے احترام پر مجبور کر دی جائے تو یہ غلامی کی بدترین صورت ہو گی۔ حاکمِ وقت کا مینڈیٹ بھاری ہو یا ہلکا، ایسی غلامی کو آزادی کا نام دینا فریبِ محض ہے۔ اور قرآن کی شرح کو حاکم کی رِضا کا تابع کر دیں تو شرع اور شرح میں تصادُم کا واقع ہو جانا لازم سا ہو جاتا ہے۔

انسانوں کی قانون سازی اور اللہ کی قانون سازی میں وہی فرق ہے جو بے لوث و صمد ہونے اور ذاتی مفاد و اغراض گرفتہ ہونے میں ہے۔ قرآنِ پاک حکومتوں اور عوام کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسے نامکمل یا قابلِ ترمیم تصوّر کرنا اسلامی نہیں، انگریزی سامراج کی پرورش کی ہوئی شاطرانہ فکر ہے۔ اس لیے کہ اگر قرآنِ پاک مکمل ضابطہ حیات نہیں تو پھر ختمِ نبوّت کا کوئی جواز نہیں۔ اور ختمِ نبوت سے

صرف یہ مراد نہیں کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا، بلکہ یہ بھی مراد ہے کہ بالآخر تمام عالمِ انسانیت کو محمدؐ رسُول اللہ ﷺ کو آخری نبی اور قرآن کو مکمل ضابطۂ حیات تسلیم کرنا ہو گا اور اسے عملاً" نافذ کرنا ہو گا، کہ یہ مقصد خالق کائنات ہے۔ اور یوں عالمین کے ساتھ ساتھ انسانی آبادی پر بھی فقط اللہ ہی کی حاکمیت کا نفاذ بلاشرکتِ غیرے ہو گا۔ پاکستان کا قیام اس مقصد الٰہی کی بار آوری کی ابتدا ہے۔

دنیا نے دیکھا کہ پاکستان میں پہلے سوشلزم اور جمہوری افکار کو دینِ اسلام سے وابستہ کیا گیا۔ پھر ایک فکری سازش کی بار آوری کے لیے ۱۹۷۰ میں دینِ اسلام کو سوشلزم سے پولنگ بُوتھ پر ہروایا گیا۔ ۱۹۹۳ء میں دینِ اسلام کو اسی طرح مغربی جمہوریت سے ہروایا گیا۔ لیکن فطرت کا انتظام دیکھیے کہ سوشلزم اگرچہ ایک سُپر پاور کا نقطۂ نظر تھا، اللہ نے اس کا کیا حشر کیا۔ تاریخ نے جو حشر سوشلزم کا دیکھا، وہی حشر جمہوریت کا بھی دیکھے گی جس کی ابتدا سرزمینِ پاکستان پر ہو چکی۔

دینِ اسلام کا مقصد کائناتی نظامِ زندگی اور انسانی زندگی کے نظام کو ہم آہنگ کرنا ہے۔ قیامِ صلوٰۃ انسانی زندگی کو احکامِ الٰہی کا پابند کرنے کا اہتمام ہے۔ اگر کائنات کا ناظم کوئی اور ہو اور انسانی زندگی کا کوئی اور، تو پھر انسانی سیاست توحید پرست نہیں۔ زکوٰۃ انسانی کد و کاوش کے مالی حصول کو پاکیزہ رکھنے کی ضمانت ہے کہ کائناتی زندگی کا انحصار کائنات کی ہر شے کے باہمی لین دین پر ہے۔ درخت اگر آکسیجن اور انسان کاربن ڈائی آکسائیڈ مہیا نہ کریں تو نہ انسان باقی رہیں، نہ درخت۔ از رُوئے اسلام حصولِ مال و دولت کا مقصد اجماع نہیں، محرومیت کے خلا کو پُر کرنا ہے۔ دولت انعام نہیں، امتحان ہے۔ دینِ اسلام، مومنین کے لیے یک سُو و یک جہت ہونے کا اہتمام کرتا ہے۔ فرقوں میں بٹ جانا اسلام کی عطا نہیں۔

لازم ہے کہ قرآنِ پاک کو آفاقی، یونیورسل اور آخری لاریب کتاب تسلیم کر

کے بطورِ آئینِ امن و عمن نافذ کیا جائے۔ سابقہ اور آئندہ شرح کو شرع کے تابع لیا جائے۔ انسانی فکر کو یا شرح کو اوقات اور فاصلوں میں محدود کرنا مقصود ہوتا تو اتقا اور ایمان بالغیب قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کی بنیادی شرط نہ ہوتی' نہ لاریب ہونا قرآن کا دعویٰ ہوتا۔ فرقہ واریت کے خطرات کی تشہیر' اس حد تک کہ انسانی فکر کرفیو کے نفاذ یا گھروں میں دُبکے رہنے کے غیر معاشرتی وہم و گمان میں مبتلا ہو جائے' فرقہ واریت کا علاج نہیں۔ جو آئینِ اسلام کی خلاف ورزی یا عدمِ پیروی پر برہم نہیں' وہ پیروی حُسینؓ سے محروم ہے۔

موجودہ سیاسی حکومتی رویّہ پاکستانی معاشرہ کو دنیا بھر میں دہشت گرد ثابت کرنے کا پُرکار انداز ہے۔ حکم رانو! ہلاکو اور چنگیز کی نہیں' صدّیقِ اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کی شہرت اپناؤ۔ اس کا واحد طریقہ آئینِ اسلام کا نفاذ ہے۔ آئینِ اسلام انسانوں کو جاہ طلب نہیں' اطاعت گزار بناتا ہے۔ جو رزق کے انفاق کو جزوِ ایمان نہیں بناتا' وہ خالقِ کائنات کا مقروض بھی ہے اور نادہند بھی۔ آئینِ اسلام وحدتِ ملت سے وحدتِ انسانیت تک کے سفر کی راہ نما دستاویز ہے۔ مگر ہم ہیں کہ فرقہ واریت' اور پارٹی بازی میں مبتلا ہیں۔ بھول چکے ہیں کہ اگر توحیدِ فکر پارہ پارہ ہو جائے تو انسانی قلوب و اذہان تضادات کا شکار ہو کر جسم کے نظامِ ربوبیت کو یوں مجروح کر دیتے ہیں کہ انسان کی بینائی' سماعت اور گفتار کے قویٰ ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ بھول چکے ہیں کہ انسانوں کی حاکمیت اور شریعتِ اسلام کو بیک وقت نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ یا اولی الابصار!

ماہنامہ "نعت" کے گزشتہ شمارے

1988 – حمدِ باری تعالیٰ۔ نعت کیا ہے؟ مدینۃُ الرّسول ﷺ (اول و دوم) اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (اول و دوم)۔ نعتِ قدسی۔ غیر مسلموں کی نعت (اول)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (اول)۔ میلادُ النبی ﷺ (اول' دوم' سوم)

1989 – لاکھوں سلام (اول و دوم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (دوم) معراجُ النبی ﷺ (اول و دوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (دوم) کلامِ ضیاء القادری (اول و دوم)۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (سوم)۔ درود و سلام (اول' دوم' سوم)

1990 – حسن رضا بریلوی کی نعت۔ آزاد بیکانیری کی نعت (اول)۔ وارثیوں کی نعت۔ درود و سلام (چہارم تا ہشتم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (سوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (سوم)۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (چہارم)۔ میلادُ النبی ﷺ (چہارم)

1991 – شہیدانِ ناموسِ رسالت (اول تا پنجم)۔ غریب سہارنپوری کی نعت۔ اقبالؒ کی نعت۔ فیضانِ رضاؒ۔ نعتیہ مسدّس۔ عربی ادب میں ذکرِ میلاد۔ سراپائے سرکار ﷺ (اول)۔ حضور ﷺ کا بچپن

1992 – نعتیہ رباعیات۔ آزاد نعتیہ نظم۔ سیرتِ منظوم۔ نعت کے سائے میں۔ حیاتِ طیّبہ میں پیر کے دن کی اہمیت (اول' دوم و سوم)۔ آزاد بیکانیری کی نعت (دوم)۔ سراپائے سرکار ﷺ (دوم)۔ سفرِ سعادت منزلِ محبت (اشاعتِ خصوصی)

1993 – ۹۲ (قطعات)۔ عربی نعت اور علّامہ نبہانیؒ۔ ستّار وارثی کی نعت۔ بہزاد لکھنوی کی نعت۔ حضور ﷺ اور بچے۔ حضور ﷺ کے سیاہ فام رفقا۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (چہارم)۔ نعت ہی نعت (اول)۔ یا رسولَ اللہ ﷺ۔ حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین۔ تسخیرِ عالمین اور رحمتٌ للعالمین ﷺ (اشاعتِ خصوصی)

1994 – محمد حسین فقیر کی نعت۔ اختر الحامدی کی نعت۔ شیو بریلوی اور جمیل نظر کی نعت۔ بے چین رجپوری کی نعت۔ دیارِ نور۔ تضمینیں۔ نعت ہی نعت (دوم و سوم)۔ نورٌ علیٰ نور۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی۔ مدینۃُ الرسول ﷺ (سوم)۔ معراجُ النبی ﷺ (سوم)

1995 – حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ۔ استغاثے۔ نعت کیا ہے؟ (دوم' سوم' چہارم)۔ نعت ہی نعت (چہارم و پنجم)۔ کافی کی نعت۔ انتخابِ نعت۔ خواتین کی نعت گوئی (اشاعتِ خصوصی)۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی (اشاعتِ خصوصی)

1996 – لطف بریلوی کی نعت۔ ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ۔ سرکار ﷺ دی سیرت (پنجابی)۔ ظہورِ قدسی۔ حضور ﷺ کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال۔ مجھے اُن ﷺ سے پیار ہے۔ اٹک کے نعت گو شعرا۔ اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا (اول و دوم --- دو خصوصی اشاعتیں)۔ نعت ہی نعت (ششم)

1997 – شہرِ کرم (جنوری)۔ نعت ہی نعت حصّہ ہفتم۔ (فروری)۔ ہُوا یہ کہ.... (مارچ)

آئندہ شمارے

اگست ١٩٩٧	مدیحِ سرکار ﷺ
ستمبر ١٩٩٧	گجرات کے پنجابی نعت گو شعرا
اکتوبر ١٩٩٧	تہنیت النسا تہنیت کی نعت
نومبر ١٩٩٧	اُردو نعت اور عساکرِ پاکستان
دسمبر ١٩٩٧	وامق جونپوری کی نعت

راجا رشید محمود کی مطبوعات

اُردو مجموعہ ہائے نعت

١- وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ - ١٩٧٧، ١٩٨١، ١٩٩٣ (صفحات ١٣٦)

٢- حدیثِ شوق (دوسرا مجموعۂ نعت) ١٩٨٢، ١٩٨٣، ١٩٨٦ (صفحات ١٧٦)

٣- منشورِ نعت (اُردو پنجابی فردیات) ١٩٨٨ (صفحات ١٧٦)

٤- سیرتِ منظوم (بصورت قطعات) ١٩٩٢ (صفحات ١٢٨)

٥- "٩٣" (نعتیہ قطعات) ١٩٩٣ (صفحات ١١٢)

پنجابی مجموعہ ہائے نعت

٦- عشقاں دی اَگ (صدارتی ایوارڈ یافتہ) ١٩٨٥، ١٩٨٧ (صفحات ١٢٤)

٧- حق دی تائید - ١٩٥٦ (٨ صفحات)

تحقیقِ نعت

٨- پاکستان میں نعت، ١٩٩٣ (صفحات ٢٢٤)

٩- غیر مسلموں کی نعت گوئی - ١٩٩٤ (صفحات ٤٠٠)

١٠- خواتین کی نعت گوئی - ١٩٩٥ (صفحات ٣٣٦)

١١- نعت کیا ہے؟ - ١٩٩٥ (صفحات ١١٢)

انتخابِ نعت

١٢- مدیحِ رسول ﷺ - ١٩٧٣ (صفحات ١٩٨)

١٣- نعتِ خاتم المرسلین ﷺ - ١٩٨٢، ١٩٨٨، ١٩٩٣ (صفحات ١٨٤)

١٤- نعتِ حافظ (حافظ پیلی بھیتی کی نعتوں کا انتخاب) ١٩٨٧ (صفحات ٢٧٦)

١٥- قلزمِ رحمت (امیر مینائی کی نعتوں کا انتخاب) ١٩٨٧ (صفحات ٩٦)

١٦- نعت کائنات (اصنافِ سخن کے اعتبار سے ضخیم انتخاب) مبسوط تحقیقی مقدمے کے ساتھ - جنگ پبلشرز کے زیرِ اہتمام - چار رنگا طباعت - ١٩٩٣ (صفحات ٨٢٦ - بڑا سائز)

اسلامی موضوعات پر کتابیں

١٧- احادیث اور معاشرہ - ١٩٨٦، ١٩٨٧، ١٩٨٨ (بھارت میں بھی چھپی) صفحات ١٩٢

١٨- ماں باپ کے حقوق - ١٩٨٥، ١٩٩٣ (صفحات ١١٢)

١٩- حمد و نعت (تدوین) ٢٦ مضامین، ٤٩ منظومات - ١٩٨٨ (صفحات ٢٢٤)

٢٠- میلادُ النبی ﷺ (تدوین) ١٨ مضامین، ٨٠ میلادیہ نعتیں - ١٩٨٨ (صفحات ٣٣٦)

٢١- مدینۃ النبی ﷺ (تدوین) ١٨ مضامین، ٥٧ منظومات - ١٩٨٨ (صفحات ٢٢٤)

تاریخ اور تاریخی شخصیات پر کتابیں

۲۲ اقبالؒ، احمد رضاؒ: مدحت گرانِ پیغمبرﷺ - ۱۹۷۷، ۱۹۷۹، ۱۹۸۲، ۱۹۸۷ (کلکتہ) (صفحات ۱۱۲)

۲۳- اقبالؒ، قائداعظمؒ اور پاکستان - ۱۹۸۳، ۱۹۸۷ (صفحات ۱۶۰)

۲۴- قائداعظمؒ ---- افکار و کردار - ۱۹۸۵ (صفحات ۱۶۰)

۲۵- تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ (تاریخی و تحقیقی تجزیہ) ۱۹۸۲، ۱۹۸۶، ۱۹۹۴ (۳۶۴ صفحات)

مزید کتابیں

۲۶- میرے سرکار ﷺ - ۱۹۸۷ (صفحات ۱۳۴)

۲۷- حضور ﷺ اور بچے - ۱۹۹۳ (صفحات ۱۱۲)

۲۸- تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین ﷺ - ۱۹۹۳ (صفحات ۲۵۶)

۲۹- درود و سلام - ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵ (سات ایڈیشن چھپے) صفحات ۱۲۸

۳۰- قرطاسِ محبت (حُبِّ رسول ﷺ کے مظاہر) ۱۹۹۴ (صفحات ۱۳۴)

۳۱- سفرِ سعادت، منزلِ محبت (سفرنامۂ حجاز) ۱۹۹۴ (صفحات ۲۲۴)

۳۲- راج دلارے (بچوں کے لئے نظمیں) ۱۹۸۵، ۱۹۸۷، ۱۹۹۱ (صفحات ۹۶)

۳۳- میلادِ مصطفیٰ ﷺ - ۱۹۹۱ (صفحات ۴۸)

۳۴- عظمتِ تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ - ۱۹۸۷، ۱۹۸۸ (صفحات ۳۲)

۳۵- منظومات - (نعتیں، مناقب، نظمیں) ۱۹۹۵ (صفحات ۱۹۰)

۳۶- دیارِ نور - (سفرنامۂ حجاز) ۱۹۹۵ (صفحات ۱۱۲)

۳۷- حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ - ۱۹۹۵ (صفحات ۲۵۶)

تراجم

۳۸- الخصائص الکبریٰ - جلد اول و دوم (از علامہ سیوطیؒ) ۱۹۸۲

۳۹- فتوح الغیب (از حضرت غوثِ اعظمؒ) ۱۹۸۳

۴۰- تعبیر الرؤیا (منسوب بہ امام سیرینؒ) ۱۹۸۲

۴۱- نظریۂ پاکستان اور نصابی کتب (تدوین و ترجمہ) ۱۹۷۱

Monthly **NAAT** *Lahore*
CPL 106

